

قرآن مجید ہمارا قطعی اور آخری رہبر ہے

قائداعظم

قائداعظمؒ کے اسلامی افکار

(ان کے اپنے بیانات کی روشنی میں)

محمد شریف بقا

کتاب	:	قائداعظمؒ کے اسلامی افکار (اُن کے اپنے بیانات کی روشنی میں)
مؤلف	:	محمد شریف بقا
ناشر	:	نظریۂ پاکستان ٹرسٹ
طابع	:	نظریۂ پاکستان پرنٹرز
مہتمم اشاعت	:	رفاقت ریاض
ڈیزائنر	:	محمد شہزاد یٰسین
کمپوزر	:	نوید انور
اشاعت سوم	:	جون 2009ء
تعداد اشاعت	:	1000
قیمت	:	125 روپے

Published by
Nazaria-i-Pakistan Trust
Aiwan-i-Karkunan-i-Tehreek-i-Pakistan,
Madar-i-Millat Park, 100-Shahrah-i-Quaid-i-Azam, Lahore.
Ph. 99201213-99201214 Fax. 99202930 E-mail: trust@nazariapak.info
Web: www.nazariapak.info

Printed at: Nazaria-i-Pakistan Printers,
10-Multan Road, Lahore. Ph: 37466975



ابتدائی کلمات

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کی غرض و غایت یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے مقاصداوراس کیلئے دی جانے والی قربانیوں کواُجاگر کیا جائے' نظریۂ پاکستان کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اہلِ وطن بالخصوص نئی نسل کو پاکستان کی نظریاتی اساس اور عظیم تاریخی وتہذیبی ورثے سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ان مقاصد کے حصول کیلئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے وطن عزیز کی نئی نسل کواپنی سرگرمیوں کامحورومرکز بنایاہے کیونکہ ہماری نسلِ نو ہی ہمارے ملک و قوم کا مستقبل ہےاوران کے فکروعمل کوعلامہ محمداقبالؒ اور قائداعظمؒ کے افکار و کردار کے سانچے میں ڈھال کرہی ہم اپنے مستقبل کوزیادہ روشن اورمحفوظ بنا سکتے ہیں۔اس کے لئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ ایک ہمہ جہت پروگرام پرعمل پیرا ہے جس میں مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔ان مطبوعات کے ذریعے ہم نئی نسل کونظریۂ پاکستان،تحریکِ پاکستان اور مشاہیر تحریک پاکستان کے افکاروتصورات کے بارے میں نہایت سادہ زبان میں آگہی فراہم کررہے ہیں اوران میں اپنے ملک وقوم کے حوالے سے احساسِ تفاخر پیدا کررہے ہیں تاکہ وہ مستقبل میں اپنی قومی ذمہ داریوں سے زیادہ احسن انداز میں عہدہ برآ ہوسکیں۔

قائداعظمؒ کی بےلوث اورعہد ساز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے جان ومال اورعزت وآبرو کی بیش بہا قربانیاں پیش کرکے اگرچہ پاکستان تو





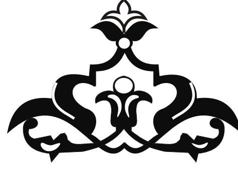
حاصل کرلیا مگر ہم اسے قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے مطابق اسلامی نظریۂ حیات کا قابلِ تقلید نمونہ نہیں بنا سکے۔ بانیٔ پاکستان کے وصال کے بعد قوم کے نام نہاد قائدین نے ان کے نظریات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنا کر اس ملک کو فوجی و سول آمریتوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ پاکستان اور قائداعظمؒ کی جدوجہد کے باعث اگرچہ ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط اور غلبے سے نجات حاصل ہوگئی مگر آج ہم ایک دوسری طرح کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے گئے ہیں جس سے نجات کے حصول کے لئے ہمیں از سرِ نو قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ صرف اسی طرح ہم وطنِ عزیز کو ایک جدید اسلامی، فلاحی اور جمہوری مملکت بنانے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

قائداعظمؒ کی زیرِ قیادت تحریکِ پاکستان میں طلباء و طالبات نے ہر محاذ پر مسلم لیگ کے ہراول دستے کا کردار ادا کیا تھا اور ان کی شب و روز جدوجہد کے طفیل برصغیر کا ہر گوشہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کے روح پرور نعروں سے منور ہوگیا تھا۔ بابائے قوم نے بارہا ان کی خدمات کو سراہا تھا اور ان پر اظہارِ فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "یہی ہیں وہ مردانِ عمل جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔" مجھے قوی اُمید ہے کہ زیرِ نظر تصنیف کا مطالعہ ہماری نئی نسل میں اس عقابی روح کو بیدار کر دے گا جو تحریکِ پاکستان کا طرّۂ امتیاز تھی اور وہ نظریۂ پاکستان کی مبلّغ بن کر پاکستان کو علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے رہائی دلا کر وطنِ عزیز کی کشتی ساحلِ مُراد تک پہنچائے گی۔

مجید نظامی

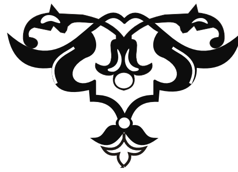
(مجید نظامی)

چیئرمین



انتساب

شہدائے پاکستان کے نام



فہرست

III قائداعظمؒ اور ارشاداتِ رسولِ کریم ﷺ

IV قائداعظمؒ اور اتحادِ ملت

V قائداعظمؒ کا تصورِ آئین ومملکت

VI قائداعظمؒ کا تصورِ پاکستان

VII قائداعظمؒ اور عالمِ اسلام



قائداعظمؒ اپنے بارے میں

''مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے ہیں۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سر بلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلبگار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا اپنا ایمان، میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح! تم نے واقعی مدافعتِ اسلام کا حق ادا کر دیا' جناح تم مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد اور حمایت کا فرض بجا لائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں علمِ اسلام کو سر بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔''

قائداعظمؒ

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے خطاب

21 اکتوبر 1939ء

(روزنامہ انقلاب، لاہور 22 اکتوبر 1939ء جلد 14' شمارہ 198)



پیش لفظ

دورِ حاضر نظریات کا دور ہے' چاہے وہ نظریات مادی ہوں یا غیر مادی۔ مغربی اقوام جس نئے عالمی نظام کا شدومد سے پرچار کر رہی ہیں' اس کے پیچھے بھی ایک ایسی نظریاتی بالادستی کے عوامل کارفرما ہیں جس کے عناصر میں آزاد منڈی کا بے قابو فروغ اور مادہ پرستی و عریانی پھیلانے والی ثقافتی اقدار کی ترویج شامل ہیں۔ اس پس منظر میں یہ بہت ضروری ہے کہ اسلامی دنیا بالعموم اور پاکستان بالخصوص اپنے اسلامی نظریات اور روحانی اقدار سے نہ صرف از سرِ نو شناسائی حاصل کرے بلکہ اس ورثہ کو نئی نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کرے۔

بعض حلقے دانستہ یا نادانستہ طور پر پاکستان کی اسلامی اساس کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کا مؤجب بن رہے ہیں اور اس سلسلے میں قائداعظمؒ کے افکار و کردار کی ایسی توجیہات پیش کر رہے ہیں جن کا اصلیت سے کوئی تعلق نہیں اور جن کے لیے کوئی تاریخی اسناد موجود نہیں۔ قائداعظمؒ کی زندگی، سیاسی کردار، خیالات اور رویّے ایک کھلی اور کشادہ کتاب کی طرح ساری قوم کے سامنے ہیں۔ ان کے خیالات میں کہیں کوئی ابہام نہیں۔ انہیں زبان پر پوری قدرت حاصل تھی اور وہ اپنے احساسات و افکار کو واضح طور پر بیان کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے تھے۔ بچپن میں اپنے والد سے ناظرہ قرآن پڑھنے سے لے کر لنکنز ان میں رسالت مآب ﷺ کا حوالہ دیکھ کر داخلہ لینے اور جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے ''فاطی! خدا حافظ لا الٰہ الا اللہ'' کے الفاظ ادا کرنے تک ان کی ذہنی ساخت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلامی ثقافت کے مقاماتِ بلند سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان شواہد کے ہوتے ہوئے انہیں سیکولر کیسے کہا جا سکتا ہے؟

پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی صدارتی تقریر کو ان کے سیکولر خیالات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس تقریر میں قائداعظمؒ نے انسانی حقوق کے حوالے سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں تفریق کو مٹانے کا ذکر کیا تھا اور کاروبارِ حکومت کے بارے میں کہا تھا کہ حکومت کا یہ منصب نہیں کہ وہ کسی مذہب کو بزورِ شمشیر نافذ کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا تھا کہ دینی نقطۂ نگاہ سے ہندو اور مسلمان الگ ہی رہیں گے کیونکہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا معاملہ ہے۔ اہلِ علم اور اہلِ تاریخ جانتے ہیں کہ یہ تقریر معروف میثاقِ مدینہ اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے معاہدے اور حضرت عمرؓ کی بیت المقدس میں اہلِ کلیسا کے آگے تقریر اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے مفتوحین کے ساتھ کیئے گئے معاہدوں کا ہو بہو عکس تھی۔ اس کے علاوہ 11 اگست کے صرف تین دن بعد پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس تھا۔ آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظمؒ دونوں موجود تھے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں مغل شہنشاہ اکبر کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا بطورِ خاص ذکر کیا۔ قائداعظمؒ نے اپنی جوابی تقریر میں بتایا کہ شہنشاہ اکبر کا رویہ کوئی نئی بات نہیں، تیرہ سو سال پہلے ہمارے رسولِ اکرم ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عملاً ان کے ساتھ انتہائی روادارانہ اور فیاضانہ سلوک کیا تھا۔ قائداعظمؒ نے مزید کہا کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ انہوں نے اپنی حکمرانی کے دوران پیغمبرِ اسلام ﷺ کے اعلیٰ وارفع انسان دوست عظیم اصولوں کی پیروی کی جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے۔

11 اگست اور 14 اگست 1947ء کی تقاریر کے بعد بیسیوں خطاب اور بیانات ہیں جن میں قائداعظمؒ نے پاکستان کے اسلامی تشخص کی پرورش واستحکام پر زور دیا۔13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں واضح طور پر اعلان کیا کہ اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیےنہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ کے یہ خیالات نئے نہیں تھے۔14 اپریل 1941ء کو مدراس میں منعقدہ مسلم لیگ کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس میں انہوں نے برملا اعلان کیا تھا کہ لوگ مسلم لیگ کی آئیڈیالوجی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی آئیڈیالوجی یہ ہے کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور اسی حیثیت سے آزادی چاہتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں قابل مؤلف محمد شریف بقا صاحب نے قائداعظمؒ کے اسلامی افکار کے بارے میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو ان کے اپنے بیانات کی روشنی میں دور کرنے کی سعی کی ہے۔نظریۂ پاکستان ٹرسٹ ان کی سپاس گزار ہے کہ انہوں نے رواں دواں انداز میں ایک اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ قوم وملت کے ساتھ ان کی وابستگی میں برکت عطا فرمائے - آمین

(ڈاکٹر رفیق احمد)

وائس چیئرمین نظریۂ پاکستان ٹرسٹ



عرضِ مصنف

برصغیر پاک و ہند میں اسلامیانِ ہند کی آزادی کے ممتاز علمبردار، اہلِ پاکستان کے عظیم راہنما، اسلامی فکر کے حامل بے باک سیاستدان اور مملکتِ پاکستان کے بانی محمد علی جناحؒ نے اپنے ذاتی خیالات و احساسات، سیاسی اصولوں اور ملی خدمات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے' وہ ان کی مختلف تقاریر، بیانات، خطوط اور انٹرویوز کی شکل میں موجود ہے۔ ان بیانات کی نہ صرف ذاتی اہمیت ہے بلکہ ان کا معاشرتی زندگی اور اہم عصری واقعات کے ساتھ بھی گہرا ربط ہے۔ اہلِ علم و سیاست اور مؤرخین ان تحریروں اور تقریروں کی روشنی میں قائداعظمؒ کی شخصیت کا صحیح مقام متعین کر سکتے ہیں اور ان کے کارناموں کے حسن و قبح کو جانچ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں عوام الناس بھی حقائق سے روشناس ہو کر بہت سی غلط فہمیوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ کے بارے میں چند حقیقت نا آشنا اور متعصب لوگ غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے ہیں اور اس طرح عام سادہ لوح انسانوں کے دل و دماغ میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ اس محسنِ ملت کی عظمت کو گھٹایا جائے۔ بعض لوگ آپ کو ہر صورت میں سیکولر سیاستدان قرار دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے اس اقدام کی کئی وجوہات ہیں۔

ایک تو وہ خود دینِ اسلام کی حقانیت پر یقین نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ پاکستان اپنے اسلامی تشخص کو خیرباد کہہ دے اور مغربی تہذیب کی مادر پدر آزاد ثقافت کو اختیار کرے اور دوسرا یہ کہ ان حضرات نے تحریکِ پاکستان میں کوئی حصہ نہیں لیا اور انہیں فرزندانِ توحید کے ان جذبوں اور ولولوں سے کوئی آگاہی نہیں جن کی بدولت غلام ہندوستان کی کوکھ سے ایک آزاد اور اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی۔




ان کے ہر پراپیگنڈا کا بہترین توڑ یہ ہے کہ قارئین خود قائداعظمؒ کے اپنے ان گنت بیانات اور تقاریر کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس بطلِ جلیل کے دل کی گہرائیوں میں اسلام کی کس قدر محبت موجود تھی۔ زیرِ نظر تصنیف میں قائداعظمؒ کی اسلامی فکر کو ان کے اپنے بیانات کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔ قائداعظمؒ کے بیانات اور اقوال ایک بحرِ زخّار ہے۔ میں نے ان میں سے صرف چند قطرے چنے ہیں اور کوشش کی ہے کہ ان کے اسلامی ذہن کو ان کے اپنے الفاظ کی روشنی میں آشکار کیا جائے۔

محمد شریف بقا

I

قائد اعظمؒ اور ارکانِ اسلام

قائد اعظمؒ نے مختلف مواقع پر اپنے بیانات میں ارکانِ اسلام کی اہمیت اور فرضیت بڑے مدلل انداز میں پیش کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک آزاد اسلامی مملکت ہی میں اسلام کے نظریۂ حیات کے مطابق اسلامی معاشرہ تعمیر ہو سکتا ہے۔

آزاد اسلامی مملکت

''اس ملک میں ہم آزاد انسانوں کی طرح باعزت زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اس لیے ہم آزاد اسلام اور آزاد ہندوستان کی حمایت کرتے ہیں''۔

(صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کے نام پیغام۔ 26، 27 مئی 1940ء)

''ہم اس ملک میں آبرومندانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم کبھی اس حکومت کو برداشت نہیں کریں گے جس میں ہمیں کمین اور غلام بنا دیا جائے''۔

(پنجاب مسلم لیگ کانفرنس، لائل پور (فیصل آباد) میں تقریر۔ 19 نومبر 1942ء)

اسلام اپنے وجود اور اپنی بقاو ترقی کے لیے الگ مملکت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ کبھی باطل اور کفر کے ماتحت نہیں رہ سکتا۔ خدائے واحد کے پرستار کیسے غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر سکیں گے؟ قرآنِ حکیم نے کہا ہے۔ ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' (حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے)۔

علامہ اقبالؒ نے اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے بجا فرمایا تھا ؂

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

قائد اعظمؒ بھی برصغیر پاک و ہند میں ایک جداگانہ اسلامی مملکت کے قیام اور آزاد اسلام کے حامی تھے۔علامہ اقبالؒ نے اپنے مشہور خطبۂ الٰہ آباد میں یہ بات واضح کی تھی کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے ایک آزاد خطۂ زمین کی ضرورت ہے۔

کلمۂ توحید

''مسلمانوں کی قوت کی بنیاد صرف کلمۂ توحید ہے' نہ وطن نہ نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تھا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا تھا۔ وہ ایک الگ قوم کا فرد بن گیا تھا۔آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا۔اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری تھی نہ انگریزوں کی چال۔یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔''

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 8 مارچ 1944ء)

رمضان اور نماز کی اہمیت

''رمضان کے روزے اور نماز کا نظم و ضبط خدا کے حضور لازوال رقتِ قلب اور عاجزی پیدا کرے گا۔ یہ کمزور دل کی نرمی کے مترادف نہیں ہوگا...... اپنے ساتھیوں سے ملنے، انہیں سمجھنے اور پھر افہام و تفہیم کے ذریعے ان کی خدمت کے لیے ہمیں کتنے حیرت انگیز مواقع دیے گئے ہیں۔تم دیکھو گے کہ نماز کا آئین وضع کر کے یہ تمام مواقع پیدا کیے گئے ہیں۔دن میں پانچ مرتبہ ہمیں اپنے محلے کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے......ہم میں سے ہر ایک ذاتی نظم و ضبط اختیار کر کے

اپنے ملک کی خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔میری رائے میں نظم وضبط اس مبارک مہینے کالبِ لباب ہے۔"

(عیدالفطر پرنشری تقریر'13نومبر 1939ء)

"ماہِ رمضان روزہ رکھنے، دعا اور اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے۔اس مہینے میں قرآنِ پاک نازل ہوا تھا۔بنیادی طور پر مسلمانوں پر روحانی نظم و ضبط فرض کیا گیا ہے لیکن اس فرض کی ادائیگی میں اخلاقی نظم وضبط اور اس کی معاشرتی اور جسمانی قدروقیمت بھی کم درجہ نہیں رکھتی۔ماہِ صیام آپ کو بھوک کا مطلب سمجھاتا ہے۔آپ کو یہ سبق دیتا ہے کہ اس فرض کو نبھاتے ہوئے آپ کو عسرت کے لیے تیار رہنا چاہیے اور سخت آزمائش کو برداشت کرنا چاہیے ...... سارا مہینہ جسم کے اعضائے انہضام کو آرام ملتا ہے،یہ انہیں مزید صحت مند اور طاقتور بناتا ہے۔"

(عیدالفطر پر مسلمانانِ ہند کے نام پیغام'اکتوبر 1941ء)

"اسلام زندگی کے معاملات کے سماجی پہلو پر بہت زور دیتا ہے۔ہر روز مسجد میں پانچ مرتبہ علاقے کے امیر وغریب اور چھوٹے بڑے جمع ہوتے ہیں......یہ اجتماع انسانوں کی کامل مساوات کا آئینہ دار ہے۔اس طرح نماز کے ذریعے صحت مندانہ سماجی تعلق کی بنیاد پڑتی ہے اور نماز ہی سے اسے مضبوط بنایا جاتا ہے۔"

(ایضاً'اکتوبر 1941ء)

قائداعظمؒ کے ان بیانات کی اصلیت جاننے کے لیے مندرجہ ذیل نکات قابلِ غور ہیں:۔

(1) نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:" بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلیٰ خَمْسَةٍ " (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے)۔اسلام کی عمارت کے یہ پانچ ستون

کلمۂ شہادت، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ ان تمام ارکان کی صحیح اور مکمل بجا آوری بے شمار انفرادی اور اجتماعی فوائد کی حامل ہے۔ اگر انہیں محض رسمی انداز میں اور بغیر سوچے سمجھے ادا کیا جائے تو پھر مسلمان ان فیوض و برکات سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ میکانکی اور رسمی طریقِ عبادت اور خشوع و خضوع پر مبنی اندازِ بندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے۔ بے روح عبادت کسی حقیقی اور پائیدار معاشرتی انقلاب و اصلاح کا باعث نہیں بن سکتی۔ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ نے بارگاہِ خداوندی میں ایسی بے روح عبادت کے بارے میں بجا فرمایا تھا ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

(2) قائداعظمؒ نے روزے اور نماز کی جان رقتِ قلب اور عاجزی کو قرار دیتے ہوئے اسے کمزوردل کی نرمی تصور نہیں کیا کیونکہ خدا کا صحیح بندۂ عاجز حلقۂ یاراں میں تو بریشم کی طرح نرم ہوتا ہے مگر وہ رزمِ حق و باطل میں فولاد بن جاتا ہے۔ صحیح مسلمان خدا کے حضور اپنی عاجزی، کمزوری اور دل کی نرمی کا نذرانۂ محبت پیش کیا کرتا ہے۔ وہ اس کی بارگاہ میں ایسے حاضر ہوتا ہے جیسے کوئی وفاشعار غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ خداتعالیٰ کو ایسے نرم اور شکستہ دل سے محبت ہوتی ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

(3) رمضان المبارک میں سحری، افطاری، تراویح، رات کا قیام، قرآن خوانی اور ادائیگیٔ نماز کے اجتماعات ہمارے اندر نظم و ضبط پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔

پوری ملتِ اسلامیہ کا ایک خاص مہینے میں روزے رکھنا اور دیگر لازمی پابندیاں مسلمانوں کے اندر ضبطِ نفس اور اجتماعی تنظیم کی آئینہ دار ہیں۔ نمازِ پنجگانہ اور دیگر مواقع پر نماز کی ادائیگی کے وقت صف بندی کا التزام اس امر کے عکاس ہیں کہ قومی کاموں میں بھی اسی نظم وضبط کا عملی ثبوت دیا جائے۔ "صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا" (تم صبر کرو اور باہمی ربط قائم رکھو) کے یہ قرآنی الفاظ اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

(4) اسلامی عبادات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے مسلمان اپنے خالق، مالک اور رب سے براہ راست تعلق پیدا کریں۔ دعا خواہ وہ عام دعا ہو یا نماز کی شکل میں وہ انسانی عجز اور احتیاج کی مظہر ہے۔ انسان شاہراہ حیات پر ثابت قدم رہنے اور صحیح منزلِ ہدایت تک پہنچنے اور اپنی مختلف حاجات اور مشکلات کے لیے خدا تعالیٰ کی امداد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے مجبور ومحتاج ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے "اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (دعا عبادت کا مغز ہے)۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے خدا تعالیٰ براہ راست ہماری دعاؤں کا جواب دیتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے: "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (سورۃ البقرۃ آیت 186) (میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جبکہ وہ مجھے پکارتا ہے)۔ قرآن نے مزید کہا ہے۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" (سورہ ق، آیت 16) (ہم اس (انسان) کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)۔

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

(اقبالؒ)

(5) قرآنِ حکیم کے نزول کی ابتدا رمضان المبارک کی شب قدر میں ہوئی تھی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورہ البقرہ، آیت 185)(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن (شروع میں) نازل ہوا۔ وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل میں) فرق کرنے والا ہے)۔

(6) روزہ رکھنے کی اصلی غرض و غایت روزہ دار کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کر کے اسے مستحکم بنانا ہے تاکہ ایک مہینے کی روحانی تربیت اسے مثالی کردار کا حامل بنا دے۔ روزہ رکھنے والے کو بھوک اور پیاس کی سختی اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اس کے دل میں غریبوں کے لیے ہمدردی اور جذباتِ محبت بیدار کرنے کا موثر سبب بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں روزہ انسان کے اندر اپنے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں پیش آنے والی تکالیف اور آزمائشوں کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرنے کا حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورہ البقرہ، آیت 183) (تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ)۔

(7) روزہ رکھنے کے صرف روحانی اور جسمانی فوائد ہی نہیں بلکہ اس کے طبی فوائد بھی ہیں۔ ایک ماہ تک روزے رکھنے کی وجہ سے روزہ دار کو گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ثواب کا حصول الگ ہوتا ہے۔ یہ سارا مہینہ جسمانی صحت اور روحانی تربیت کے لیے مفید ہوتا ہے۔

(8) دینِ اسلام محض چند اعتقادات ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ انسان کی انفرادی

زندگی کے علاوہ اس کی اجتماعی زندگی کے مختلف اہم پہلوؤں سے بھی گہرا ربط رکھتا ہے۔ یہ انسان اور خدا کے درمیان نجی معاملہ نہیں کیونکہ یہ حیاتِ انسانی کی لاتعداد معاشرتی ذمہ داریوں، سرگرمیوں اور حقوق وفرائض پر محیط ہے۔ نماز باجماعت، روزہ رکھنے کی اجتماعی شکل، زکوٰۃ کی تقسیم اور حج کا اجتماع اسی اجتماعیت کے آئینہ دار ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی لڑی میں پرو کر ملتِ واحدہ بنا دیا ہے۔ رنگ، زبان، نسل، گروہ، جنس اور عمر کے اختلاف کے باوجود سب مسلمان عالمگیر اخوت اور مساوات کے حامل ہو جاتے ہیں۔ اسلام کا یہ تحریکی اس چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو اپنے اندر حیرت انگیز انداز میں جذب کر لیتا ہے۔ اس میں جغرافیائی حدود بھی غائب ہو جاتی ہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے ۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(ہم نہ تو محض افغان ہیں اور نہ ہی ترک اور تاتاری ہیں بلکہ ہم تو باغ میں پرورش پانے والے پھولوں کی مانند ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم پر رنگ اور خوشبو کی تمیز حرام ہے کیونکہ ہمیں ایک ہی بہار نے پالا ہے)۔ مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان اسلام کی ایک ہی شاخ سے وابستہ ہیں۔ اس طرح اسلام ہمیں اپنے اندر جذب کر کے ہمارے ظاہری اور عارضی امتیازات کو مٹا دیتا ہے۔

عیدالفطر

عیدالفطر اسلامی تہواروں میں نمایاں مقام اور اہمیت رکھتی ہے۔ رمضان المبارک ختم ہوتے ہی یکم شوال کو عیدالفطر کے موقع پر تمام عالمِ اسلام میں اسے بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ بانیٔ پاکستان اس کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''یہ اجتماع مسلمانوں کے بھائی چارے اور مساوات کی حیثیت سے سارے عالمِ اسلام کو متاثر کرتا ہے ..... عید کا مطلب ہے بار بار آنے والی خوشی۔ عید کا دن خوشی کا دن ہے جو تکمیلِ فرض کے بعد آتا ہے تاکہ آپ کے اندر یہ احساس پیدا کردے کہ حقیقی خوشی کا راز فرض کی کامیاب ادائیگی میں پنہاں ہے ...... آپ اس عظیم دن کے موقع پر یہ پختہ ارادہ کرلیں کہ اپنے قومی فرض کو بھی ضرور ادا کریں گے۔''

(عیدالفطر پر مسلمانانِ ہند کے نام پیغام، اکتوبر 1941ء)

آپ عیدالفطر کے مبارک تہوار کی عالمگیریت اور اس کی اہمیت و افادیت کے حامل دیگر گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''عیدالفطر وحدت اور اخوت کی علامت ہے۔ یہ مذہبی بھی ہے اور اقتصادی بھی۔''

(عیدالفطر کے موقع پر پیغام، اکتوبر 1942ء)

حج

حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی فرضیت کے بارے میں قرآنِ حکیم نے اعلان کیا ہے: ''**وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً** (سورہ آلِ عمران، آیت 97) (اور لوگوں پر اللہ کا حق (فرض) ہے کہ جو اس کے گھر تک جانے کی طاقت رکھتا ہو

وہ اس کا حج کرے)۔

ہر صاحب حیثیت مسلمان پر زندگی میں کم از کم ایک بار حج کی ادائیگی لازمی ہے۔ حج اسلام کا ایک عظیم الشان عالمی اجتماع ہے جس میں دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان شریک ہو کر اپنی عالمگیر اخوت و مساوات کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حج کی صرف مذہبی اہمیت ہی نہیں بلکہ اس کی معاشرتی، سیاسی، علمی اور اقتصادی اہمیت بھی ہے۔ اتنا عظیم الشان آفاقی اجتماع ملتِ اسلامیہ کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے جہاں وہ عالمِ اسلام کو درپیش مسائل کے بارے میں غور و خوض کر کے ان کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ اپنی اسلامی فکر کے اس پہلو کی ان الفاظ میں نقاب کشائی کرتے ہیں:-

''حج کے موقع پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو بیت اللہ میں حاضر ہو کر خدا سے راز و نیاز کرنے کے لیے زندگی میں کم از کم ایک دفعہ وہاں کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ..... یہ چیز نہ صرف دوسرے مسلمانوں سے ہمارا رابطہ قائم کرتی ہے بلکہ اپنے اس سفر کے دوران دیگر قوموں کے افراد سے بھی ملتے ہیں۔''

(عید کے دن نشری تقریر، 13 نومبر 1939ء)

زکوٰۃ

قائد اعظمؒ نے 1941ء میں ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے قائم کی کہ زکوٰۃ اور فطرانے کی رقومات اور قربانی کی کھالوں کو ایک منظم طریقے سے جمع کرنے کا پروگرام تیار کیا جائے اور انہیں شریعت کے مطابق خرچ کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔ اس سے قبل 1937ء میں مسلم لیگ کے پچیسویں سالانہ اجلاس میں قائد اعظمؒ کی زیرِ صدارت ایک قرارداد پاس کی گئی تھی جس میں تمام اداروں پر زور

دیا گیا کہ مزدوروں کے لیے کام کرنے کا ماحول بہتر بنایا جائے۔ انہیں معقول مزدوری دی جائے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے فنڈ قائم کیے جائیں۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے مال اور زائد اشیائے ضروریہ پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور غریب مسلمانوں کی طرف سے عائد ہونے والا اجتماعی حق ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ اس لحاظ سے جہاں یہ اجتماعی ٹیکس یا اجتماعی فریضہ ہے وہاں یہ عبادت کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ اس کے ذریعہ غریب مسلمانوں کی کفالت اور فلاح و بہبود کا اہتمام کیا جانا مقصود ہے۔ غربا کی اجتماعی کفالت کی ذمہ داری پورے معاشرے پر عائد ہوتی ہے کیونکہ غربا کی کثیر تعداد روزمرہ کی ضروریات پوری نہ ہونے کے سبب نہ صرف معاشرتی اور تہذیبی امور میں اپنا حق ادا نہیں کر سکتی بلکہ معاشرے کے روحانی ارتقا میں بھی کسی قسم کی پیش رفت کا سبب نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں زکوٰۃ ادا کرنے سے متعلق فرماتا ہے:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (سورۃ توبہ، آیت 103) (ان کے مال میں سے زکوٰۃ لیں، اس کی وجہ سے آپ ﷺ ان کو پاک کریں اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کریں۔)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت 277) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے، ان کو ان کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

زکوٰۃ کا مقصد جہاں معاشرے کے غریب اور پسے ہوئے طبقے کو پھر سے زندگی کی دوڑ میں شامل کرنا ہے، وہاں مال کی طہارت کے ذریعے روحانی اعتبار

سے بالیدگی پیدا کرنا بھی ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:-

(جو قوم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ ان پر خشک سالی مسلط کر دیتا ہے۔)

ایک جگہ آپ ﷺ مزید فرماتے ہیں:-

(اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ تم پر اس لیے فرض کی ہے کہ باقی اموال تمہارے لیے پاک ہو جائیں)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:-

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقرا میں تقسیم کروں)۔

زکوٰۃ کا نظام ایک ایسی حقیقت ہے جو اسلامی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کا مقصد دولت کی تقسیم کو مؤثر بنانا اور لوگوں کو فلاح و بہبود کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

قائداعظمؒ نے تحریکِ پاکستان کے دوران اور گورنر جنرل بننے کے بعد بھی اپنی تقاریر اور بیانات میں اس بات پر مسلسل زور دیا کہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام سے نجات حاصل کر کے اسلام کے اصولوں کے مطابق معاشی نظام قائم کیا جائے۔قائداعظمؒ فرماتے ہیں:-

"یہاں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہہ کرنا چاہوں گا جنہوں نے ایک غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود فروغ پایا ہے......لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔انہوں نے اسلام کے اسباق کو فراموش کردیا ہے۔لالچ اور خودغرضی نے انہیں

دوسروں کے مفادات کا مطیع بنادیا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو موٹا بنا سکیں ......
میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو ایک دن
کا کھانا بھی مشکل سے میسر آتا ہے۔کیا اس کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی
مقصدِ پاکستان ہے؟ ......اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان
کو حاصل نہیں کروں گا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب ۔ 24 اپریل 1943ء)

گورنر جنرل بننے کے بعد سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر مغربی نظامِ معیشت کو انسانیت کے لیے نقصان دہ قرار دیا اور کہا:۔

"ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی اساس
انسانی مساوات اور معاشرتی عدل کے سچے اسلامی تصور پر استوار ہو۔اس
طرح سے ہم مسلمان کی حیثیت سے اپنا مقصد پورا کرسکیں گے اور بنی نوع
انسان تک امن کا پیغام پہنچا سکیں گے کہ صرف یہی اسے بچا سکتا ہے اور
انسانیت کو فلاح و بہبود اور مسرت و شادمانی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔"

(سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر خطاب ۔ یکم جولائی 1948ء)

اسلامی مساوات

دینِ اسلام اپنے اندر اجتماعیت کی شان رکھتا ہے۔اس لیے یہ مسلمانوں کے درمیان محبت، رحم، شفقت اور بھائی چارے کی اہمیت کو بار بار واضح کرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" (سورہ الحجرات، آیت 10) (بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔رسول کریم ﷺ نے مومنوں کے اس گہرے ربطِ باہمی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "مومنین کو ایک دوسرے

کے ساتھ رحم، محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن ہوتا ہے۔ جب بدن کا ایک جزو بیمار ہو جائے تو سارا بدن بخار اور بیداری میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔" (کتاب الادب، بخاری شریف)۔ شیخ سعدی نے اسی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

چوں عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نہ ماند قرار

(جب زمانہ کسی عضو کو درد میں مبتلا کر دیتا ہے تو باقی اعضا بھی بے قرار ہو جاتے ہیں)۔ اسلام مسلمانوں کو بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے قائد اعظمؒ کی اسلامی فکر کا بھی اندازہ لگائیے۔ وہ کہتے ہیں:-

"میں ہر ایک مسلمان سے یہ کہتا ہوں کہ اسلام آپ سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ آپ اپنے فرض کو نبھائیں اور ایک قوم کی حیثیت سے اپنے لوگوں کا ساتھ دیں۔"

(عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں تقریر' 28 ستمبر 1939ء)

ہمارے تمام اعمال اور افعال ہمارے خیالات خصوصاً ہمارے بنیادی نظریات کا عکس ہوا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارے سماجی امور بھی ہماری اساسی فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس قسم کے نظریۂ حیات میں ہم یقین رکھتے ہیں' اسی کے مطابق ہماری ساری سرگرمیاں معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ قائد اعظمؒ محض سیاستدان ہی نہیں تھے بلکہ وہ سیاسی مفکر بھی تھے۔ چونکہ وہ اسلام کی آئیڈیالوجی میں پختہ اعتقاد رکھتے تھے' اس لیے وہ سماجی نشاۃ ثانیہ اور سیاسی آزادی کو بھی زندگی کے عمیق تر مفہوم یعنی اسلام پر مبنی تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ہر قسم کے سماجی احیا اور سیاسی آزادی کا آخری انحصار کسی ایسی چیز پر ہونا چاہیے جو زندگی کے عمیق تر مفہوم کی حامل ہو۔ اگر مجھے کہنے کی اجازت ہو تو میں کہوں گا کہ وہ چیز اسلامی سپرٹ ہے۔"

(عید الفطر کے دن نشری تقریر' 13 نومبر 1939ء)

اربابِ دانش سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اسلام اور ہندو دھرم دو مختلف نظریہ ہائے زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ ہندو دھرم نے انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے جبکہ اسلام انسانی وحدت اور انسانی مساوات کا علمبردار ہے۔ قرآن نے ہر انسان کو واجبِ تکریم قرار دیتے ہوئے یہ آفاقی اعلان کیا تھا: "وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ۔ (سورۃ بنی اسرائیل' آیت 70) (اور ہم نے اولادِ آدم کو باعثِ احترام بنایا ہے)۔ اس کے برعکس ہندو مذہب نے انسانی تقسیم پر زور دیتے ہوئے انسانوں کو برہمن، کشتری، ویش اور شودر بنا کر رکھ دیا۔ قائد اعظمؒ ان دونوں مذہبوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

"ذات پات ہندوؤں کے مذہبی اور سماجی نظام کی بنیاد ہے۔۔۔ اس کے برعکس مذہب اسلام انسانی مساوات کے تصور پر مبنی ہے۔"

("ٹائم اینڈ ٹائڈ" لندن میں مضمون' 19 جنوری 1940ء)

اسلام چونکہ تمام انسانوں کی ہدایت، نجاتِ اخروی اور دنیاوی فلاح و امن کا علمبردار ہے اس لیے وہ تمام انسانوں کو خدائے واحد کی مخلوق ہونے کی وجہ سے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ انہیں معاشرتی، اخلاقی، اقتصادی اور قانونی مساوات بھی عطا کرتا ہے۔ وہ انہیں ایک ہی اصل کی شاخیں قرار دیتا ہے کیونکہ وہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اس بارے میں قرآنِ حکیم نے کہا ہے "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (سورہ النساء آیت 1)(اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا تخلیق کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ ہادیٔ اعظم محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے بھی اس انسانی مساوات کے ضمن میں درج ذیل بصیرت افروز اور حکیمانہ ارشاد فرمایا ہے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ" (مسند احمد) (اے ہمارے رب اور ہر چیز کے پروردگار! بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے اسلام کے اس انقلابی اور انسانیت ساز نظریے کے متعلق کہا ہے:-

"اسلام ہماری پناہ میں آنے والے غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف، مساوات، ایمانداری، تحمل اور فیاضی کا بھی حامی ہے۔ یہ غیر مسلم ہمارے بھائیوں کی مانند ہیں"۔

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر، 2 نومبر 1941ء)

دینِ اسلام تمام افرادِ انسانیت کو عموماً اور اپنے ماننے والوں کو خصوصاً یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ انسانی اور مذہبی اخوت کی بنا پر آپس میں صلح، امن، محبت اور خلوص و ایثار کے ساتھ زندگی گزاریں۔ باہمی محبت اور احترام کے سبب ہی وہ رشتۂ اسلام سے منسلک ہیں۔ اگر وہ خدا کی اس مضبوط رسی کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیں تو پھر وہ مختلف فسادانگیز گروہوں اور طبقوں میں تقسیم ہو کر ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اسی ملی اتحاد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے قرآنِ حکیم نے کہا ہے:-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (سورہ آل عمران، آیت 103)۔(اور تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ)

ملاحظہ کیجئے کہ اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند کے اس عظیم سیاسی رہنما کے مندرجہ ذیل الفاظ اسلامی آئیڈیالوجی سے کس قدر ہم آہنگ ہیں۔آپ درسِ اتحاد و اخوت دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''مہربانی کر کے آپ گروہی مفادات، قبائلی تصورات اور خود غرضی کی بجائے اسلام اور اپنی قوم کی محبت کو اختیار کیجئے۔ان برائیوں نے آپ کو مغلوب کر دیا ہے اور آپ گزشتہ دو صدیوں سے پستے چلے جا رہے ہیں۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ دہلی میں صدارتی خطبہ 24 اپریل 1943ء)

(1) ''میں پاکستان کے لوگوں سے اپیل کرتا ہوں اور انہیں یہ پیغام دیتا ہوں ۔۔۔۔(کہ) اسلام کی تاریخ بہادری، جرأت اور عزم بالجزم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔اس لیے آپ تمام رکاوٹوں اور مداخلت کے باوجود آگے بڑھتے چلے جائیں۔مجھے یقین ہے کہ عزم راسخ، عظیم تہذیب اور تاریخ کے حامل 7 کروڑ افراد پر مشتمل متحد قوم کو کسی چیز سے بھی ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اب آپ کو ہر وقت مسلسل کام کرنا ہوگا۔یہی چیز ہمیں کامیاب بنا دے گی۔آپ اپنا اصول اتحاد، نظم و ضبط اور ایمان کبھی فراموش نہ کریں۔''

(ریڈیو پاکستان، لاہور سے نشری تقریر 15 اگست 1947ء)

(2) ''اپنے دلوں کو ٹٹولیے اور یہ دیکھیں کہ آپ نے اس نئی اور عظیم مملکت کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا ہے؟ آپ اس مشکل کام سے مغلوب نہ ہو جائیں۔چھوٹی قوموں کی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے اپنے مصمم ارادے اور

اپنی سیرت کی طاقت سے اپنے آپ کو بنایا ہے۔آپ بھی دوسروں اور اپنے اسلاف کی طرح کیوں کامیاب نہیں ہو سکتے؟ آپ کو صرف اپنے اندر مجاہدین کی سپرٹ پیدا کرنی ہوگی۔آپ کی قوم کی تاریخ بھی حیرت انگیز جرأت، کردار اور شجاعت کے حامل لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔آپ اپنی روایات کے مطابق زندگی گزار کر اس میں عظمت وشوکت کے ایک اور باب کا اضافہ کردیں۔"

(لاہور میں تقریر' 30 اکتوبر 1947ء)

(3) "اسلام کے اصول ہر مسلمان پر یہ فرض عائد کرتے ہیں کہ وہ ذات پات اور عقیدے کے امتیاز کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ہمسایوں اور اقلیتوں کو پناہ دے۔انڈیا میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے' اس کے باوجود اقلیتی جماعتوں کی زندگیوں کی حفاظت کرنے اور ان کے اندر احساسِ تحفظ پیدا کرنے کے لیے ہمیں اسے اپنے وقار اور عزت کا معاملہ بنانا چاہیے۔"

(لاہور میں تقریر' 30 اکتوبر 1947ء)

(4) "اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کے لیے ایک سرچشمہ ہے۔اس نے ہمارے ثقافتی اور روایتی ماضی کو دنیائے عرب کے ساتھ اس طرح مربوط بنا دیا ہے کہ عربوں کے نصب العین سے ہماری ہمدردی میں شک وشبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

(شرق اردن کی حکومت کے نام پیغام' 24 دسمبر 1947ء)

(5) "اسلامی اصول زندگی کے لیے آج بھی ایسے ہی قابلِ عمل ہیں جیسا کہ وہ تیرہ سو سال قبل قابلِ عمل تھے۔"

(کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب' 25 جنوری 1948ء)

(6) ''اسلام اور اس کی تصوریت (idealism) نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے۔ اسلام نے ہر ایک کو مساوات، عدل و انصاف اور مناسب رویے کا درس دیا ہے۔ اعلیٰ معیار، مناسب رویے اور عدل پر مبنی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے اب کسی کے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ آیئے ہم اسے پاکستان کا آئندہ آئین بنائیں۔ ہم ایسا آئین بنا کر دنیا کو دکھا دیں گے۔''

(کراچی بار ایسوی ایشن سے خطاب، 25 جنوری 1948ء)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ

''ہمارے پیچھے عظیم تاریخ اور ماضی ہے۔ آیئے ہم خود کو اس کے شایان شان ثابت کریں اور اسلام کی صحیح نشأۃ ثانیہ کو بروئے کار لا کر اسلام کی شان و شوکت کا احیا کریں۔''

(مسلمانانِ ہند کے لیے عید الفطر پر پیغام، 30 ستمبر 1943ء)

قائد اعظمؒ کی اسلامی آئیڈیالوجی کا ایک گوشہ اسلام کی عظیم تاریخ اور اس کے شاندار ماضی کی صحیح نشأۃ ثانیہ (revival) کی خواہش تھی۔ وہ مسلمانوں کو دنیا میں دوبارہ اسی شان و شوکت اور مقامِ رفیع کے حامل دیکھنے کے متمنی تھے۔ قیامِ پاکستان سے قبل کے سیاسی و معاشی حالات اور اخلاقی ابتری نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں قنوطیت پیدا کر دی تھی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی نے ان کی رہی سہی عزت اور وقار کو ختم کر کے انہیں نفسیاتی بحران میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے شاندار ماضی اور سیاسی غلبہ و اقتدار کو یاد کر کے آنسو بہاتے تھے اور انہیں اپنے آنے والے تابناک مستقبل کی کہیں سے بھی نویدِ جاں فزا سنائی نہیں دیتی تھی۔ قائد اعظمؒ سے پہلے مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اپنی مایہ ناز نظم ''مسدسِ مد و جزرِ

اسلام" میں مسلمانوں کو ان کے اسلاف کے زرّیں کارناموں کی یاددلائی اور ان کی موجودہ زبوں حالی کا شکوہ کیا۔علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی شاعری خصوصاً "شکوہ"، "جوابِ شکوہ"، "خضرِ راہ" اور "طلوعِ اسلام" وغیرہ میں اسلامیانِ ہند کو ان کے قابلِ فخر ماضی سے روشناس کرانے کے علاوہ انہیں اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے کا حوصلہ بھی دیا۔ اسلام کی حیاتِ نو کا محض مژدہ سنادینا ہی کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کے اذہان وقلوب کو گرمانے اور ان کے لیے واضح لائحہ عمل کو متعین کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے قائد اعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے یہ اعلان کیا کہ ہمیں اپنے ماضی کی شان وشوکت کی درست بحالی کے لیے محنتِ شاقہ اور مسلسل جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔ جب کوئی قوم ذلت اور پستی کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت کوئی بندۂ خدا آگے بڑھ کر ان کی صحیح انداز میں قیادت کرتا ہے اور انہیں آزادی دلا کر رہتا ہے۔شاید ایسے ہی حالات کو بھانپتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا ؎

می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

(کوئی مردِ مجاہد آکر غلاموں کی زنجیروں کو توڑ دے گا۔میں نے تمہارے جیل خانہ کی دیوار کے روشندان سے اس چیز (روشنی) کو دیکھا ہے)

؎ نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ!
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

علامہ اقبالؒ نے عقلمند رہنما کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے کاہل مگر باذوق ساتھیوں سے نا اُمید نہ ہو۔قدرت کا یہ معجزہ دیکھئے کہ اس مشورے پر قائد اعظمؒ نے عمل کرتے ہوئے اسلامیانِ ہند کو خوابِ غفلت سے جگایا، انہیں منظم ومتحد کیا اور

یوں انہیں غلامی کی زنجیروں سے نجات دلائی۔ ایسے عظیم، مخلص اور دور اندیش رہنما کو اسلامی فکر سے تہی قرار دینا اور اس پر سیکولر ازم (secularism) کی تہمت لگانا کتنی بڑی جہالت ہے۔

II

قائداعظمؒ اور اسلامی ثقافت

''میں تم دونوں (انگریزوں اور ہندوؤں) کو یہ بتائے دیتا ہوں کہ تم الگ الگ یا دونوں مل کر بھی ہماری روحوں کو برباد کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔تم ہماری اس اسلامی ثقافت کو کبھی تباہ نہیں کر سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا یہ جذبہ زندہ رہا ہے،زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔''

(قانون ساز اسمبلی میں تقریر،22مارچ1939ء)

ہندوؤں کے ارادے

انڈیا کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے ہندوؤں کے ساتھ بعض مسلمان رہنما بھی تعاون کر رہے تھے۔مسلمان راہنما نیک نیتی سے خیال کرتے تھے کہ ہندو رہنما ان کے اسلامی تشخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور ان کے جائز مطالبات کو مان کر پرامن زندگی گزارنے کی راہ ہموار کرنے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔بعد ازاں جب انہیں اس حقیقت کا علم ہوا کہ ہندو،خصوصاً کانگریس کے رہنما انگریزی حکومت سے آزادی پانے کے بعد خود انڈیا کے حکمران بن کر ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سخت صدمہ ہوا۔اسی ہندو چال کو بھانپتے ہوئے قائداعظمؒ کانگرس سے الگ ہوگئے تھے کیونکہ وہ مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ان سے تعاون کرنا سخت ناپسند کرتے تھے۔تھوڑے عرصے کے لیے جب کانگرس کی حکومت بنی تو انہوں نے نیشنلزم کا نقاب اتار کر مسلمانوں پر ہندو نظریات اور ہندو ثقافت ٹھونسنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔انہوں نے ایک ہندووانہ گیت ''بندے

ماترم" کا آغاز کر کے مسلمان بچوں کو بھی اسے گانے پر مجبور کیا۔ اس بارے میں قائداعظمؒ نے اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کرتے ہوئے دسمبر 1938ء میں کہا تھا:-

"کانگریس کے بڑے بڑے رہنما ملک کی تمام دوسری جماعتوں اور ثقافتوں کو ختم کر کے ہندو راج قائم کرنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے ہیں .... سکولوں میں اسے گانے پر مسلمان بچوں کو بھی مجبور کیا جاتا ہے .... یہ ایک بت پرستانہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مذہبی گیت ہے ....ہندی اور ہندوستانی زبان کی ساری سکیم کا مقصد اردو کو دبانا اور اس کا گلا گھونٹنا ہے"۔

مسلمانوں کی تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کو ختم کرنے اور انہیں ہندوؤں کی غلامی میں دینے کے لیے انگریزی حکومت بھی ہندوؤں کے ساتھ سازش میں شریک تھی۔

قائداعظمؒ اگر اسلامی فکر کے حامل نہ ہوتے تو کبھی ہندوؤں کے خلاف اتنا شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کانگرس جیسی مقبول سیاسی جماعت سے الگ نہ ہوتے اور نہ ہی ہندو راج کے قیام کی زبردست مخالفت کرتے۔ آپ کے متعدد بیانات اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ نے ہندو راج کے قیام کی مہم روکنے میں زبانی، قلمی اور عملی جہاد کیا اور یوں مملکتِ پاکستان کے قیام کی راہ ہموار کی۔ ہمیں غیروں کی محکومیت سے نجات دلانے والے اس عظیم رہنما، بے باک مجاہد، حق گو سیاستدان اور قومی محسن کی ملی خدمات کو سراہنا چاہیے نہ کہ ہم انہیں خواہ مخواہ ہدفِ تنقید بنائیں۔ آج انڈیا کی غلامی میں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ جو نار وا، انسانیت سوز اور لرزہ خیز سلوک کیا جا رہا ہے وہ باشعور لوگوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا نہیں۔ اگر پاکستان معرض وجود میں نہ آتا تو کیا ہمارا بھی یہی حشر نہ ہوتا؟ قدرت کا یہ اٹل

اصول ہے کہ جور و ستم اور نا انصافی کی تاریک رات ہمیشہ قائم نہیں رہتی ۔ آخر کار آزادی کی سحر نمودار ہو کر رہتی ہے ۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اسلامی ثقافت کی خصوصیات

بانیٔ پاکستان نے اسلامی ثقافت کی حفاظت و بقا کے بارے میں جو یہ ایمان افروز الفاظ کہے ہیں' اس کی چند نمایاں خصوصیات کا اجمالاً ذکر ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلام نے جس تہذیب اور ثقافت کو جنم دیا تھا' وہ عدل و انصاف ، انسانی وحدت، احترامِ انسانیت ، عالمی امن کے قیام، عالمگیر اخوت، وسیع تر مساوات، دنیا و دین کی حسنات کے حسین امتزاج، توحید و رسالت ، خدائی حاکمیت کے انسانیت پرور عقیدے، جسم و جاں کی ضروریات کی تکمیل، رواداری، میانہ روی اور اخلاقِ عظیم کے عناصر کا مجموعہ ہے۔ یہ تہذیب آفاقی اور انسانی اقدار کی علمبردار ہے' اس لیے یہ آخر کار غالب آ کر رہے گی کیونکہ یہ انسانی فطرت کی آئینہ دار اور اس کے قلب و ذہن کو متاثر کرنے والی ہے۔ یہ ایمانِ محکم پر استوار ہے' اسی لیے قائم و دائم رہے گی ۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

''جہاں تک ہو سکے اپنے مخالفین کو استدلال کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمارا استدلال اور ہماری ساری ترغیب ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتے ۔ تاہم اس بارے میں ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے'' ۔

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطبہ' 2 مارچ 1941ء)

قائد اعظمؒ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے

اپنی بات منوانے کے لیے جبر کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ آپ اپنے نظریے کی صداقت کو واضح کرنے کی خاطر عقلی دلیل سے کام لیا کرتے تھے تا کہ مخاطب دلائل پر غور و فکر کر کے اپنے لیے درست طریقِ عمل اختیار کرے۔ لوگوں سے زبردستی اپنی بات منوانا عارضی طور پر مفید تو ہو سکتا ہے مگر یہ دیرپا اثرات سے خالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بے شمار آیات میں غور و فکر، تدبر، شعور اور تعقل سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:-

(ا) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ البقرۃ آیت 256)(دین میں کوئی جبر نہیں)

(ب) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ (سورۃ الکافرون، آیت 6)(تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین)۔

(ج) "اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ" (سورہ آل عمران آیت 190)(بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

قرآن نے کسی قسم کے جبر اور دھونس کی حمایت نہیں کی بلکہ عقل، تدبر، دلیل اور برہان کے استعمال پر بار بار زور دیا ہے۔ سچ کا دعویٰ کرنے والوں سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل پیش کریں۔ ارشادِ ربانی ہے: هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (سورہ البقرۃ آیت 111)(اگر تم سچے ہو تو کوئی برہان اور دلیل لاؤ)۔ قائداعظمؒ نے اسی اسلامی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے مخالفین کو استدلال کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کا مشورہ دیا ہے۔ آپ نے خود ساری زندگی آئینی، قانونی اور استدلالی طریقِ کار کو اختیار کرتے ہوئے ہندوؤں، انگریزوں اور دوسرے مخالفین سے قیامِ پاکستان کی بازی جیت لی تھی۔

اقلیتوں کے حقوق

اگر ہم تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے انسان مختلف اسباب اور حالات کے تحت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی وجہ سے جاری ہے۔ انسانوں کے ایک گروہ کا کسی مجبوری یا اشد ضرورت کے پیشِ نظر ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں بسنا قدرتی امر ہے۔ اس میں کسے شک ہو سکتا ہے کہ وہ جب دوسرے علاقے میں جاتے ہیں یا اپنے ہی علاقے میں اقلیت بن جاتے ہیں تو انہیں گوناگوں مشکلات اور غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثریتی گروہ اور جماعت کا یہ انسانی فرض ہے کہ وہ کم تعداد رکھنے والے لوگوں کے بنیادی اور انسانی حقوق کی بطریقِ احسن حفاظت کرے تا کہ وہ پُر امن ماحول میں رہ کر وہاں کی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکیں۔ یہ وسیع و عریض کائنات کسی خاص قوم یا گروہ کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی پیدا کردہ اور اس کی مِلک ہے۔ خالقِ کائنات نے اسے تمام انسانوں کے استعمال اور فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں، پرندوں، حشرات الارض اور دیگر مخلوقات کے لیے بھی تخلیق کی گئی ہے۔ خدا ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ہم اس کے اس کارخانہ قدرت میں فتنہ و فساد برپا کر کے انسانی زندگی کو ناخوشگوار بنا دیں۔ اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ وَ الْحُکْمُ لِلّٰہِ (زمین اللہ کی ہے اور یہاں اسی کا حکم چلنا چاہیے) کی رو سے خدائے رحیم و کریم کے بنائے ہوئے ابدی اور عالمگیر قوانین کی پیروی ہی سے دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا بنایا ہوا آئینِ حیات تمام انسانوں کی

فلاح و بہبود کا ضامن ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کے رنگ و نسل، زبان و عقیدہ کے امتیازات موجود نہیں۔ علاوہ ازیں وہ کسی طرح کے طبقاتی، گروہی، نسلی اختلافات، قومی مفاد پرستی، تنگ نظری اور خودغرضی کی آلائشوں کا آئینہ دار نہیں۔ اس نے تو ہمیں یہ بتایا ہے: وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (سورہ یونس آیت نمبر 19) (اور سب انسان ایک ہی گروہ تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا) اسلام نے تو تمام لوگوں کو ایک گروہ اور جماعت قرار دے کر وحدتِ انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس وحدت کو قائم رکھنے کے لیے انسانوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ باہمی محبت، رواداری اور یک جہتی کی فضا پیدا کر کے پر امن زندگی گزاریں اور ایک دوسرے کے حقوقِ انسانی کی نگہداشت کریں۔

جب انسانوں نے اس مثالی، مکمل، آفاقی اور امن خیز نظامِ حیات کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ، ناقص، محدود اور فساد پرور قوانین کو اختیار کیا تو پھر وہ مختلف متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ خودغرضی، تنگ نظری اور نسلی تفاخر پر مبنی انسانی قوانین کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقلیتوں کے حقوق بری طرح پامال ہونے لگے۔ کم تعداد رکھنے والے گروہوں کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر انسانیت کی مٹی پلید کی گئی۔ اس ضمن میں قدیم مصر، یونان، ہندوستان، روم، بابل، عرب اور دیگر ممالک کی تاریخ گواہ ہے کہ وہاں مظلوم اقلیتی جماعتوں کے ساتھ کس قدر انسانیت سوز سلوک کیا گیا تھا۔ یہ دینِ اسلام ہی ہے جس نے آ کر مظلوم، مقہور، مجبور اور کمزور انسانوں کو ظالم لوگوں اور استحصال پسندوں کے پنجۂ ستم سے آزادی دلوائی۔ اس حقیقت کو بھی ذہن سے فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ تمام انبیائے کرام کا اولین مشن خدائے واحد کی حاکمیت کا پرچار کرنا اور مظلوم

انسانیت کی حمایت کر کے انہیں جابروں اور فرعونوں سے رہائی دلاتا تھا۔ اسی وجہ سے طاقتور طبقات ان کے مقدس مشن کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اسلام چونکہ عالمگیر دین ہے اس لیے یہ تمام انسانوں کی ہدایت، فلاح اور بہبود کا علمبردار ہے۔ قرآنی تعلیمات اور ارشاداتِ نبوی ﷺ نے مسلمانوں کو انسانی اخوت، عالمگیر محبت اور رواداری کا درس دیا ہے۔ اس دین کی تعلیمات پر چلنے والوں نے ہمیشہ اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو خدائی کنبہ کے افراد تصور کرتے ہیں اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے پر زور دیتے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے متعدد بیانات اور تقاریر میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ انہوں نے کئی مقامات پر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بہترین سلوک اور رواداری کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ مندرجہ ذیل چند اقتباسات کی روشنی میں ان کے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

بانیٔ پاکستان کو خدا تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ وسیع النظر، امن پسند اور انسانیت دوست سیاستدان تھے۔ آپ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ ملک کو صحیح معنوں میں خوشحال، مضبوط اور پر امن بنانے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ پاکستان میں رہنے والے امن پسند شہریوں کے حقوق کی تسلی بخش انداز میں حفاظت کی جائے۔ اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بھی جابرانہ اور غیر منصفانہ نظامِ سیاست معاشرے میں امن وسکون کی فضا پیدا نہیں کرسکتا۔ ملکی ترقی اور قومی استحکام کے لیے اس کے تمام باشندوں کے ساتھ عدل کا رویہ اختیار کرنا ہی دانشمندانہ حکمتِ عملی کا ثبوت ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا تھا:۔

عدل وانصاف

"اقلیتوں میں اعتماد اور تحفظ کا احساس پیدا کیے بغیر کوئی حکومت بھی کامیاب نہیں ہوگی۔ اگر کسی حکومت کی پالیسی اور پروگرام اقلیتوں کے بارے میں غیر منصفانہ، نامناسب اور ظالمانہ ہوں گے تو وہ حکومت کبھی عروسِ کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گی...... ہمارے ملک کی اقلیتوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری روایات، ہمارا ورثہ اور اسلامی تعلیمات ان کے لیے نہ صرف مناسب اور انصاف پسندانہ ہوں گی بلکہ ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک بھی کیا جائے گا"۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے مدراس اجلاس میں صدارتی تقریر۔ اپریل 1941ء)

اس تقریر میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان میں آئندہ بسنے والے غیر مسلموں کو یہ یقین دلایا تھا کہ عدل وانصاف اور عمدہ سلوک ہماری ملی روایت اور ورثہ ہے۔ اسلامی تعلیمات نے اقلیتوں (minorities) کے ساتھ اچھے برتاؤ پر بہت زور دیا ہے۔ آئیے اب ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ اس ضمن میں ہماری اسلامی تعلیمات اور ہماری ملی روایات نے کیا کردار ادا کیا تھا۔

اسلامی تاریخ سے مثالیں

تاریخ اسلام خصوصاً عہدِ رسالت مآب ﷺ اور خلافتِ راشدہ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

(1) اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمّی یا غیر مسلم کو جس کا اسلامی مملکت سے معاہدہ ہو قتل کرے گا تو قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے گا اور اگر مقتول کے ورثاء قصاص (خون کا بدلہ) لینے کی بجائے خون بہا لینے پر رضامند ہو جائیں تو قاتل کو

خون کے بدلے مطلوبہ رقم ادا کرنا ہوگی۔ سنن بیہقی (جلد ہشتم) میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہدِ ہمایوں میں ایک ذمی کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تھا۔ جب یہ مقدمہ حضور ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری ہے چنانچہ اس کے مسلمان قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا گیا۔

(2) خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایک مسلمان نے حیرہ کے علاقے کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے یہ لکھ بھیجا۔ ''قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے''۔ چنانچہ مقتول کے وارثوں نے اس مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا۔

(3) خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں جب اسلام کے ایک عظیم سپہ سالار اور مجاہد حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کو فتح کیا تو آپ نے اس مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے ایک معاہدہ کیا جس میں یہ تاریخی الفاظ بھی درج کئے:

''لَا یُهْدَمُ لَهُمْ بِیْعَةٌ وَلَا کَنِیْسَةٌ وَ لَا یُمْنَعُوْنَ مِنْ ضَرْبِ النَّوَاقِیْسِ وَ لَا مِنْ اِخْرَاجِ الصُّلْبَانِ فِیْ یَوْمِ عِیْدِهِمْ'' (نہ ان کی خانقاہیں گرائی جائیں گی اور نہ ہی ان کے گرجے منہدم کئے جائیں گے اور نہ ہی انہیں ان کی عید کے دن ناقوس بجانے سے اور صلیبیں (crosses) نکالنے سے منع کیا جائے گا)۔

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت درج ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:-

''جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا' وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا''۔

غیر مسلم انسان خواہ وہ کسی معاہدے کی رو سے اسلامی مملکت کے تحت ہو یا

اسلامی مملکت کا باشندہ ہو، اس کو مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ اقلیتوں کو اپنے پرسنل لا کے مطابق اسلامی عدالت میں فیصلے کروانے کا حق دیا گیا ہے۔ وہ اپنے علاقوں میں اپنے مذہبی فرائض بجالانے میں آزاد ہیں۔ اس بارے میں قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا ہے: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (سورہ البقرہ آیت نمبر 256) (دین میں کوئی جبر نہیں)۔ ہادیٔ اعظم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''ان کے خالصتاً مذہبی کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی''۔ جہاں تک مسلم مملکت کے غیر مسلم باشندوں اور اس کے ساتھ عہد و پیمان رکھنے والی حکومتوں کا تعلق ہے ان کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر مبنی عدل و انصاف کیا جائے گا۔ اس بارے میں کوئی رورعایت نہیں ہوگی۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔ ''وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (سورہ المائدہ آیت 8)۔

(تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے)۔

الغرض قرآن، احادیث اور خلافتِ راشدہ کے درج بالا امور اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ غیر مسلم شہریوں اور اسلامی مملکت کے حلیفوں کے ساتھ عدل و انصاف، انسانی ہمدردی اور مذہبی رواداری کا برتاؤ کیا گیا تھا۔ مسلم سلاطین نے بھی اپنے دورِ حکومت میں اسلام کی اس نمایاں خصوصیت کو کافی حد تک پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ جب یورپ میں یہودیوں کو ستایا گیا تو انہیں مسلم ممالک میں پناہ دی گئی تھی۔ قائد اعظمؒ نے ان اسلامی تعلیمات و روایات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو بار بار یہ یقین دلایا کہ ان کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا اور ان کے حقوق کا بھی تحفظ کیا جائے گا۔

پاکستان کی غیر مسلم رعایا

قائد اعظمؒ نے غیر مسلم رعایا کو اپنے نظامِ سیاست کا ایک اہم جزو بنایا ہوا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ اقلیتیں انسانی برادری سے تعلق رکھنے کی بنا پر ہمارے ساتھ گہرے روابط کی مستحق ہیں۔ وہ انہیں جان، مال اور عزت کی حفاظت کی بار بار یقین دہانی کراتے رہے کیونکہ وہ بہ دل و جان ان کی فلاح و ترقی کے خواہاں تھے۔ اقلیتوں کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ان کے چند اہم اور فکر انگیز اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تا کہ قارئینِ کرام پر ان کی عظمتِ فکر و کردار آشکار ہو اور انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عام انسانوں کی بھلائی کے لیے کتنے مضطرب رہا کرتے تھے۔ ان کے چیدہ چیدہ بیانات اور تقاریر کی دل آویز جھلکیاں ملاحظہ ہوں:-

''ہماری مذہبی تعلیم ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ مسلمان حکومت میں ہر غیر مسلم اقلیت کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے''۔

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، جالندھر کے سالانہ اجلاس میں تقریر' 15 نومبر 1942ء)

کانگریس کے ہندو رہنماؤں سے مخاطب ہو کر کہا ''ہم تمہاری اقلیتوں کے ساتھ مہذب حکومتوں سے بھی زیادہ بہتر انداز میں سلوک کریں گے کیونکہ اقلیتوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا ہمیں قرآن نے حکم دیا ہے۔''

(اسماعیل کالج، بمبئی میں تقریر' یکم فروری 1943ء)

''اقلیتوں کی بدرجہ اتم حفاظت ہونی چاہیے ...... ہمارے پیغمبر ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف عادلانہ بلکہ فیاضانہ سلوک کر کے واضح ترین ثبوت پیش کیا ہے''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی کے اجلاس میں خطبۂ صدارت' 24 اپریل 1943ء)

''ہندوستان اور پاکستان کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کی اقلیتوں کے ساتھ عدل اور انصاف کا برتاؤ کریں اور ان کی حفاظت بھی کریں''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی میں صدارتی تقریر۔ 24 دسمبر 1943ء)

کیا ان اقتباسات کو پڑھ کر بانیٔ پاکستان کی اسلامی طرزِ فکر اور ان کی اسلام سے گہری دلچسپی کا پتہ نہیں لگتا؟ کیا انہیں پڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لادین سیاست کے علمبردار یا حامی تھے؟ قائد اعظمؒ کے سیاسی مخالفین بھی اس بات کی حمایت کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کے قول اور فعل میں تضاد نہیں تھا۔ چونکہ وہ صاحبِ باطن اور دیانتدار انسان تھے' اس لیے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے نہیں گھبرایا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی شخصیت قول و فعل کے تضاد سے پاک تھی۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی کا اعتراف اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی کیا ہے۔ جوانمردوں کا یہی تو شیوہ ہوا کرتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

''اقلیتوں کا خواہ کسی بھی جماعت سے تعلق ہو' وہ محفوظ رہیں گی۔ ان کے مذہب اور عقیدے کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی آزادیٔ عبادت میں کسی قسم کی مداخلت ہرگز نہیں ہوگی۔ انہیں ان کے مذہب، عقیدے، زندگی اور ثقافت کے بارے میں تحفظ دیا جائے گا۔ وہ ہر لحاظ سے بلاامتیازِ عقیدہ وذات پاکستان کی شہری ہوں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی مگر اس کے ساتھ انہیں شہریت کے فرائض کا بھی احساس کرنا ہوگا......جب تک اقلیتیں اس ریاست کے ساتھ وفادار رہیں گی' انہیں کسی قسم کا خوف رکھنے کی ضرورت نہیں...... آپ اس اقلیت کو جگہ نہیں دے سکتے جو وفادار نہ ہو اور ریاست کو سبوتاژ کرنے کا کردار ادا

کرے۔ایسی اقلیت ریاست کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے۔"

(نئی دہلی میں پریس کانفرنس سے خطاب 14 جولائی 1947ء)

"پاکستان یا ہندوستان میں رہنے والی مختلف مذاہب کی حامل اقلیتیں کسی خاص مذہب، عقیدے یا نسل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان ملکوں کی شہریت سے عاری نہیں ہو جاتیں۔ میں نے متعدد بار خصوصاً قانون ساز اسمبلی میں اپنی افتتاحی تقریر میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ پاکستان کی اقلیتوں کو کسی اور جماعت کی طرح شہریت کے سارے حقوق اور مراعات دی جائیں گی۔پاکستان ہر ممکن طریق سے ان کے اندر تحفظ اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کی پالیسی اختیار کرے گا۔ہر شہری سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس مملکت کے ساتھ وفادار رہے اور اس رشتہء وفاداری کو حقیقی معنوں میں قائم رکھے"۔

(رائٹر کے نامہ نگار کو انٹرویو 25 اکتوبر 1947ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کئی مواقع پر اس بات کی ضمانت دی تھی کہ پاکستان کی غیر مسلم رعایا کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جائے گا اور ان کے جائز اور قانونی حقوق کی بھی حفاظت ہوگی۔اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بات بھی زور دے کر کہی ہے کہ اقلیتوں کو بھی اپنے قانونی فرائض ادا کرتے ہوئے مملکتِ پاکستان کے ساتھ وفاداری کا عہد نبھانا ہوگا۔اس طرح ان کے حقوق کا تحفظ اور ان کے فرائض کی ادائیگی لازم و ملزوم بن جاتے ہیں۔اب یہ دیکھتے ہیں کہ بانی پاکستان نے پاکستان قانون ساز اسمبلی میں 11 اگست 1947ء کو جو تقریر کی تھی اس میں اقلیتوں کے حقوق و فرائض کی نوعیت کا کس طرح ذکر کیا تھا۔آپ کی اس تاریخی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:-

"You are free to go to your temples, you are free

to go to your mosques or to any other place of worship in this State of Pakistan...In course of time Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the State."

قانونی مساوات

ایک اہم اور بنیادی حق شہریت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس امر کی طرف بلیغ اشارہ کیا ہے کہ ان سب کو اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جا کر اپنے طریقوں کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہوگی۔ اس میں کسی کے ساتھ بھی کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ گویا اس قانونی مساوات کے نقطۂ نظر سے کوئی بھی مذہبی امتیاز نہیں ہوگا۔ عیسائی، ہندو، مسلمان اور دیگر مذاہب کے پیروکار اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق اس قانونی مساوات کے یکساں حق دار ہوں گے۔ اس سے بعض حضرات یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ قائد اعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے کے قائل تھے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے قرآن وحدیث اور اسلامی عدل وانصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے بجا کہا ہے کہ صحیح اسلامی مملکت میں غیر مسلم شہریوں کو جان ومال، عزت وآبرو، امن وامان وغیرہ کے یکساں حقوق حاصل ہوں گے۔ تاریخ اسلام ایسے لاتعداد واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں اس اسلامی اصول عدل واحسان کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے غیر مسلم رعایا کو عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی فلاح وبہبود، خوشحالی، پرامن معاشرت اور آزادئ عقیدہ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (سورۂ بنی اسرائیل آیت 70) (اور ہم

نے اولادِ آدم کو باعثِ تکریم بنایا ہے)۔قرآن نے آزادیٔ مذہب پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:لَآ اِکْـرَاہَ فِـی الـدِّیْـنِ (سورہ البقرہ آیت نمبر 256) (دین میں کوئی جبر نہیں) غیر مسلموں کی مذہبی دل آزاری سے منع کرتے ہوئے قرآن نے ارشاد کیا ہے"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ "(سورہ الانعام آیت 108)(اور تم ان لوگوں کوگالی نہ دو جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہیں)۔یہ آزادیٔ عقیدہ اور وسیع مذہبی رواداری اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے۔ قائداعظمؒ نے قرآن کے اسی زریں اصولِ شہریت کی روشنی میں کہا ہے کہ اسلامی آئین کی رو سے مملکتِ اسلامیہ کے تمام باشندے بلاتمیز مذہب و نسل قانونی مساوات کے حق دار ہیں۔ بانی پاکستان کی اس اسلامی فکر کو سیکولر ازم (secularism)قرار دینا کس قدر جہالت اور کم نگاہی کا ثبوت ہے ۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ بانی پاکستان کی اس اسلامی فکر کے مطابق غیر مسلم باشندوں کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی جان، مال اور عزت وآبرو کے مکمل حقوق نہ مل سکے۔اس میں نہ تو اسلام کو ہدفِ تنقید بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی پاکستان اور اس کے بانی کو۔اس صورتِ حال کے ذمہ دار وہ اربابِ حل وعقد تھے جنہوں نے پاکستان کو حقیقی طور پر ایک فلاحی اسلامی مملکت نہ بنایا۔

"پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والی مختلف مذاہب کی حامل اقلیتیں (غیر مسلم شہری) اپنے مخصوص مذہب،عقیدے یا نسل کی نسبت کی وجہ سے اپنی اپنی ریاستوں کی شہریت کو کھو نہیں دیتیں۔ میں نے متعدد مواقع پر خصوصاً قانون ساز اسمبلی میں اپنی افتتاحی تقریر میں اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ پاکستان کی اقلیتوں

کے ساتھ ہم اپنے شہریوں کی حیثیت سے سلوک کریں گے۔ ان کو وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی جو کسی اور اقلیت کو دی جائیں گی۔ پاکستان اس پالیسی کی راہ پر گامزن رہے گا اور ہر ممکن طریق سے پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں کے اندر سلامتی اور اعتماد کا احساس پیدا کیا جائے گا۔ ہر ایک شہری سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ ریاست (پاکستان) کا حقیقی طور پر وفادار ہوگا"۔

(رائٹر کے نامہ نگار کو انٹرویو 25 اکتوبر 1947ء)

III

قائداعظمؒ اور ارشاداتِ رسول اکرم ﷺ

عمل کی قوت

"ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں عمل کے لیے ضروری قوت دینے کی خاطر ماہِ رمضان کا نظم وضبط دیا تھا۔ جب ہمارے رسول ﷺ نے ہمیں عمل کی تعلیم دی تھی تو آپؐ کے ذہن میں صرف کسی ایک تنہا انسان کی زندگی نہیں تھی۔"

(عید الفطر کے موقع پر نشری تقریر' 13 نومبر 1939ء)

روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اس کی ادائیگی ہر عاقل، بالغ اور تندرست مرد اور عورت کے لیے فرض ہے۔ رمضان المبارک کے روزے اپنے اندر اجتماعیت کی شان رکھتے ہیں کیونکہ پورے عالمِ اسلام میں خصوصاً اور جہاں جہاں مسلمان مقیم ہیں وہاں عموماً سب مل کر روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا فرض ہے جسے رمضان کے مہینہ میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے یہ عملِ مسلسل مسلمانوں کی عبادت کی ایک اجتماعی شکل ہے۔ سحری، افطاری، تراویح، تلاوتِ قرآن، صدقہ وخیرات، معاشرتی تقریبات اور کثرتِ عبادت کا یہ روح پرور اور ایمان افروز منظر بے شمار معاشرتی، اقتصادی، طبی اور روحانی فوائد وفیوضات کا حامل بن جاتا ہے۔ یہ مہینہ برائیوں کے لیے موسمِ خزاں اور نیکیوں کے لیے بہارِ جانفزا ہے۔ اس مبارک ماہ میں اعمال صالحہ

کی کثرت سکونِ قلب اور راحتِ جاں کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ فسق و فجور کی بجائے تقویٰ وطہارت کی طرف توجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس کی فرضیت اور اس کی نادیت اولیٰ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورہ البقرہ آیت 183) (اے اہلِ ایمان تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ)۔

قائد اعظمؒ نے بجا فرمایا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں مسلمانوں میں نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے عمل کی قوت ملتی ہے۔ یہ عمل صالح ہے جو تقویٰ کا لازمی نتیجہ ہے۔ روزہ محض بھوک پیاس اور نفس پرستی سے پرہیز ہی نہیں بلکہ یہ مکمل روحانی تربیت، اخلاقی بلندی، ایثارِ نفس، ہمدردی اور طہارتِ قلب و ذہن اور پاکیزگی زبان کا بھی موثر ذریعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (جس نے ایمان اور احتساب کے جذبے کے ساتھ رمضان میں روزہ رکھا، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے)۔ ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''جس نے دروغ گوئی اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے''۔ روزے کی ادائیگی کا بنیادی مقصد تقویٰ اور رضائے الٰہی ہے نہ کہ محض طبی فوائد کا حصول یا لوگوں کی ناپسندیدگی کا ڈر۔ بانیٔ پاکستان نے رمضان المبارک کے معاشرتی پہلو اور اس کی اجتماعیت کی اہمیت کے بارے میں درست کہا ہے کہ اسلام کا مقصود کوئی انفرادی نہیں بلکہ ملی اجتماعیت ہے۔ اس لئے اس مہینہ میں سب مسلمانوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے اس اہم رکن کو اکٹھے مل کر ادا کریں

گے۔عیدین، جمعہ اور حج کے وسیع تر اجتماعات بھی اپنے اندر یہی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ان اجتماعات کے بارے میں ہادیٔ اکبر ﷺ کے فرمودات ہمارے اعمال کو صالح تر اور زیادہ مضبوط بنانے میں مدومعاون ثابت ہوتے ہیں۔فرد کی قدروقیمت اور عظمت جماعت کے ساتھ گہرا رابطہ رکھنے میں پنہاں ہے۔بقول اقبالؒ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

رواداری

''ہمارے نبی ﷺ کے خیال میں دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت اور رواداری کے فرض کے والہانہ اور شدید احساس سے بڑھ کر کوئی حکم ۔۔۔۔ زیادہ لازمی نہیں ہے''۔

(ایضاً 13نومبر 1939ء)

قائداعظمؒ نے اپنے اس قول میں انسانی محبت اور رواداری کو فرض اور حضور ﷺ کا حکم قرار دیا ہے۔سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ محسنِ انسانیت ﷺ اور رہبر اعظم ﷺ نے انسانی محبت کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔رسول کریم ﷺ نے انسانی وحدت اور محبت کے متعلق فرمایا: ''اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ''۔ (ساری مخلوقات اللہ کا کنبہ ہیں۔پس اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی کرے)۔اسلام چونکہ تمام انسانوں کی ہدایت، فلاح، محبت اور بھائی چارے کے فروغ کے لیے آیا ہے'اس لیے اس نے بنی نوع انسان کی خدمت اور محبت پر بہت زور دیا ہے۔خدا کے پسندیدہ اور محبوب بندے وہ ہیں

جو سب انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشادِ گرامی میں ہمیں یہی درس دیا ہے جس کی طرف قائداعظمؒ نے اشارہ کیا ہے۔ خدا کی مخلوق کی محبت اور خدمت کو نظر انداز کر کے جنگلوں میں ریاضت کرنا چنداں اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ ایسا زاہد اور عابد صرف ذاتی نجات کے لیے ایسا عمل کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں ، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

رسول کریم ﷺ کو خدا نے ''رحمۃ للعالمین'' (تمام جہانوں کے لیے رحمت) کہا ہے اس لیے آپ کی رحمت سب انسانوں اور دیگر نامعلوم اور نادیدنی مخلوق کے لیے بھی ہے۔ یہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی فرمایا ہے: ''كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلٰى كُلِّ اَحْمَرٍ وَّ اَسْوَدٍ. (مسلم شریف) (ہر نبی اپنی اپنی خاص امت کی طرف بھیجا جاتا ہے اور مجھے تمام سرخ اور سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہے)۔ اس لحاظ سے انسانی محبت وخدمت اور رحمت پر ہادیٔ اعظم ﷺ نے بہت زور دیا ہے۔

بانیٔ پاکستان نے اپنے مندرجہ بالا قول میں دوسری بات یہ کہی کہ حضور ﷺ نے رواداری کے فرض اور حکم کو لازم قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں آپ کے دو فرمودات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ '' (ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے)۔ جس طرح خاندان کے لیے اتحاد ومحبت ضروری ہے' اسی طرح رواداری بھی لازم ہے۔ ایک دوسرے کی کوتاہیوں، غلطیوں اور کمزوریوں سے درگزر کرنا پڑتا ہے تا کہ سارا کنبہ اکٹھا رہے اور خوشی سے زندگی

گزارے۔غیر مسلم، انسان ہونے کی حیثیت سے انسانی برادری کا جزو ہیں۔ان کی عزت واحترام کرنے کا بھی رسول کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔رنگ، نسل، زبان اورعقیدہ کے امتیاز کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلامی ریاست میں انہیں بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔انہیں جبراً دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی قرآن نے مخالفت کی ہے۔ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت اوران کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ہادیٔ اعظم ﷺ کا دوسرا فرمان ہے:''اَنَّ الْعِبَادَ کُلُّهُمْ اِخْوَةٌ'' بے شک سب بندے بھائی بھائی ہیں)۔اس طرح آپ نے بھائی چارے کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ ساری انسانیت تک پھیلا دیا ہے۔دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کی ہرسعی کرنی چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے مذہبی عقائد کو ہدفِ تنقید وتضحیک بنانے کی مخالفت کی گئی ہے ؎

کافر و مومن ہمہ خلق خداست (اقبالؒ)

فرقہ بندی

''یہ کتابِ عظیم یعنی قرآن مسلمانوں کا آخری سہارا ہے۔مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے چلے جائیں گے ہم میں وحدت پیدا ہوتی جائے گی یعنی ایک خدا، ایک کتاب، ایک پیغمبر ﷺ اورایک قوم۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے کراچی اجلاس میں تقریر 26دسمبر 1943ء)

قائداعظمؒ نے اپنے ان چند الفاظ میں اسلامی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کو اپنی زندگیوں کا سہارا خیال کرتے ہوئے اس کی وحدت خیز تعلیمات پرعمل کریں۔یہی باہمی وحدت ان کی ملی وحدت کو جنم دے کر انہیں دنیا میں نجات، آزادی اورشان وشوکت کا حامل بنا دے

گی۔اپنی قوم کا قائداعظمؒ بننے سے قبل اسلامیانِ ہند منتشر، غیر متحد، غیر منظم، محکوم، پس ماندہ اور مایوسی کا شکار تھے۔اس نازک مرحلے پر آپ نے اپنی پوری قوت اور کوشش سے انہیں متحد و منظم کیا۔ان کے اندر اسلامی وحدت پیدا کرنے کے لیے انہیں بار بار اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا۔اس مذہبی وحدت کے بغیر مسلمانوں کے اندر مضبوط سیاسی وحدت پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔آپ نے مسلمانوں کو مذہبی فرقہ آرائی سے دور کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔مسلمان امتِ واحدہ ہونے کی بجائے کئی فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں بٹ چکے تھے۔بقول اقبال۔

امّتے بودی امم گردیدۂ

(اے مسلمان! تو ایک امت تھا مگر اب کئی امتوں میں تقسیم ہوگیا ہے)۔

بانیٔ پاکستان کے مندرجہ بالا قول میں اسلامی فکر کا سراغ لگانے کے لیے ہمیں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔آیئے دیکھیں کہ اس بارے میں قرآن وحدیث نے کیا کہا ہے۔قرآنِ پاک نے مسلمانوں کو انتشار و تفریق سے دور رہنے اور آپس میں متحد رہ کر زندگی گزارنے کا یوں حکم دیا ہے:-

(1) ''وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ''(سورہ آلِ عمرانٰ آیت 103)(اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے مت بناؤ)

(2) ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ'' (سورہ آلِ عمرانٰ آیت 105)(اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور جنہوں نے اپنے پاس کھلی باتیں آجانے کے بعد اختلاف کیا)۔

(3) اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (سورہ الانعام، آیت 159)(بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا اور وہ کئی گروہوں میں بٹ گئے' اے نبی آپ ﷺ کا ان سے کچھ واسطہ نہیں ہے)۔

اب نبی اکرم ﷺ کے دو اہم ارشادات بھی ملاحظہ ہوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا تھا:۔

(4) كُونُوا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا (بخاری شریف)(تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ)

(5) اِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْاِخْتِلَافُ (بے شک تم سے اگلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا)

کیا قرآن وحدیث کے ان ارشادات نے مسلمانوں کو فرقہ پرستی اور گمراہ کن اختلاف سے منع نہیں کیا؟ ایک خدا، ایک نبی محترم ﷺ، ایک قرآن، ایک کعبہ اور ایک ملت سے تعلق رکھنے والے اگر مختلف لسانی، نسلی اور فرقہ وارانہ متحارب گروہوں میں تقسیم ہو جائیں تو کیا وہ تباہی، ذلت اور عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ قیامِ پاکستان کے خواب کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لیے اس عظیم رہنما نے سب مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیا تھا۔ اب عالمی حالات کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے ہمیں دوبارہ اس اسلامی اخوت اور وحدت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اسی میں ہماری نجات ہے۔

"اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم باقی انسانوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں۔ پاکستان میں ہندوؤں اور دوسری جماعتوں کے ساتھ عادلانہ اور مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ ہماری اعلیٰ سند یعنی قرآن اور ہمارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں یہی ارشاد فرمایا ہے۔"

(ایم۔کے۔گاندھی کے ایک مقالہ مطبوعہ ڈان کے جواب میں بیان' 11 مارچ 1942ء)

عادلانہ برتاؤ

قائدِ اعظمؒ نے اپنے ان الفاظ میں مملکتِ پاکستان کے غیر مسلموں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی دو نمایاں خصوصیات یعنی مساوی سلوک اور عادلانہ برتاؤ کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنے ان الفاظ کی تصدیق کے لیے آپ نے قرآن اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ آپ کے قول کی اسلامی اساس معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ دیکھیں گے کہ قرآن وحدیث نے اس موضوع پر کیا روشنی ڈالی ہے۔ سب سے پہلے قرآنی حوالہ جات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ چند ارشاداتِ ربانی یہ ہیں:-

(1) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورہ النسآء آیت 1)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا) لفظ ''ڈرو'' سے مطلب یہ ہے کہ اپنے خالق کی نافرمانی سے پرہیز کرو اور اس نافرمانی کے خطرناک نتائج سے محتاط رہو۔

(2) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ (سورہ بنی اسرائیل، آیت 70) (اور ہم نے اولادِ آدم کو باعثِ عزت بنایا ہے)۔

غیر مسلم رعایا کے افراد بھی مسلمانوں کی طرح وجۂ تکریم ہیں کیونکہ وہ بھی آدم وحوا کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔

(3) اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورہ النسآء، آیت 58) (جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عادلانہ فیصلہ کرو)۔ عدل و انصاف کرنے کا یہ حکم غیر مسلموں کے بارے میں بھی ہے۔ یہ قانونی مساوات اسلام کے نظامِ عدل وانصاف کی اعلیٰ شان کی آئینہ دار ہے۔

(4) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (سورہ النحل، آیت 90)
(بے شک اللہ (تمہیں) عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ احسان، عدل سے بڑھ کر کچھ دینا اور حسنِ سلوک کرنا ہے۔

اسلام میں حسنِ سلوک اور عدل کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف اور اعلیٰ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب اس ضمن میں چند ارشاداتِ نبوی ﷺ بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں ان دو خوبیوں کا دائرہ عمل مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں تک پھیلا ہوا ہے۔ صرف دو فرموداتِ نبوی ﷺ ملاحظہ ہوں:-

(5) ''جس نے کسی ذمّی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا'' (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت، بخاری شریف)

(6) اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُم اِخْوَۃٌ ''۔(بخاری شریف)
(بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ جب سب انسان آپس میں بھائی بھائی بن جائیں تو وہ ایک دوسرے کے حقوق کو کیسے غصب کر سکیں گے۔ یہی باہمی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اخوت کے رشتے میں منسلک ہو کر سب ایک دوسرے کا احترام کریں، عدل و انصاف سے کام لیں اور آپس میں کسی قسم کی اونچ نیچ نہ کریں۔ اسلام چونکہ تمام افرادِ انسانیت کی اخوت، مساوات، عدل و انصاف، ہدایت اور فلاح و فوز کا علمبردار ہے' اس لیے کوئی بھی صحیح اسلامی ملک اپنے سب باشندوں خصوصاً غیر مسلموں کے ساتھ کوئی نا انصافی اور ظلم نہیں کر سکتا۔ غیر مسلم اقلیتوں کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت اور ان کے بنیادی حقوق انسانیت کی ضمانت کا اہم فریضہ پاکستان کی حکومت پر بھی عائد ہوتا ہے۔ ایک ہی

ملک کے شہریوں کے درمیان مخاصمت اور جنگ آزمائی کی صورت کسی طرح بھی درست نہیں۔

بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

عظیم ہستی

"آج ہم یہاں چھوٹی سی جماعت کی شکل میں اس عظیم انسان ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے موجود ہیں جن کا نہ صرف لاکھوں انسان احترام کرتے ہیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ بھی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ میں ایک حقیر انسان ہونے کی حیثیت سے اس عظیم ہستی ﷺ کو کیا خراج عقیدت پیش کرسکتا ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ بہت بڑے معلم اور قانون ساز تھے۔ آپ ﷺ ایک عظیم مدبّر اور بڑے حکمران تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو ہماری گفتگوئے اسلام کی قدر نہیں کرتے۔ اسلام صرف چند مذہبی رسومات، روایات اور روحانی اصولوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کے لیے ایک ایسا دستور ہے جو سیاسی، اقتصادی اور دیگر امور میں بھی اس کی زندگی اور اس کے کردار کو متعین کرتا ہے۔ یہ سب کے ساتھ احترام، دیانتداری، درست رویّے اور عدل و انصاف کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔ توحیدِ خداوندی اسلام کے اساسی اصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسانوں کے مابین کوئی امتیاز نہیں۔ الغرض مساوات، حریت اور اخوت، اسلام کے بنیادی اصول ہیں...... تیرہ سو سال قبل رسول خدا ﷺ نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی تھی"۔

(کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب، 25 جنوری 1948ء)

جسم وروح کے تقاضے

''کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تم سو بار سوچو لیکن جب تم ایک بار فیصلہ کرلو تو پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں صدارتی خطاب؛ اکتوبر 1937ء)

قرآنِ حکیم نے اپنی لاتعداد آیات میں ہمیں غور وفکر اور عقل وتدبر سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اکثر مقامات پر یہ کہا ہے: ''اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ''۔ (تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے ہو؟) غور وفکر کرنے والوں کو ''اُوۡلِی الۡاَلۡبَابِ'' (عقل مند) قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآنِ مجید نے عزمِ راسخ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے: فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ (سورہ آلِ عمران، آیت 159) (پس جب تو کسی بات کا پختہ ارادہ کر لے تو پھر خدا پر توکل کرنا)۔ اسلام نے نظریے اور اعتقاد کے ساتھ ساتھ عملِ صالح کا بھی حکم دیا ہے، محض غور وفکر اور ارادے کی منزل میں مستقل طور پر ڈیرے ڈال کر بیٹھ رہنے ہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ نیک عمل کرنے پر بھی زور دیا ہے۔

''اگر روپیہ پیسہ کھو گیا تو ہم نے کچھ نہیں کھویا...... اگر روح کھو دی تو سب کچھ کھو گیا۔''

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطبہ؛ 2 مارچ 1941ء)

انسان کی زندگی جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے۔ جسم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ روح کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اور چیزوں کے علاوہ روپے پیسے کی اہمیت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے ان دونوں (جسم وروح) کی ضروریات کو پورا کرنے پر کافی زور دیا ہے لیکن بایں ہمہ روح کو جسم پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی

ہے کیونکہ جسم اور دنیا کو آخر فنا ہے مگر روح اور آخرت کو بقا ہے۔ باقی کو فانی پر ترجیح دینا ہی دانشمندی ہے لیکن یہ بات بھی دھیان میں رہے کہ اسلام ترکِ دنیا یعنی رہبانیت کا سخت مخالف ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے: ''لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)۔ فارسی زبان کی ایک کہاوت ہے: ''مال نثار جان، جان نثار آبرو'' (دولت کو جان پر نثار کر دینا چاہیے اور جان کو آبرو پر)۔ اسلام نے معاشرتی زندگی کو پر سکون اور پر امن بنانے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کرنے کا حکم دیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اسے بت بنا کر پوجا نہ جائے اور نہ ہی خدا کی محبت پر مقدم خیال کیا جائے۔ مال خرچ کرنے کو روحانی پاکیزگی اور روحانی ترفع کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اگر کبھی روح اور ضمیر اپنی حفاظت اور بقا کے لیے مالی قربانی کا تقاضا کریں تو روپے پیسے کا زیاں روحانی دولت اور اخلاقی زیاں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مَن (روح) اور دھن (دولت) کا موازنہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

من کی دنیا؟ من کی دنیا، سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا، سود و سودا، مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

حصولِ پاکستان کے مقاصد

قائداعظمؒ کے مندرجہ ذیل الفاظ کا مطالعہ بھی اسی تناظر میں مفید ہوگا:-

''ہم یا تو پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا موت سے ہمکنار ہو جائیں گے''۔

(عیدالفطر کے موقع پر پیغام، اکتوبر 1942ء)

پاکستان کا لفظی مطلب ہے پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ۔ یعنی پاکستان حاصل کرنے کا نصب العین ایک الگ خطۂ زمین میں اسلام کے پاکیزہ نظامِ حیات کو نافذ کر کے اس کے باشندوں کے افکار و اعمال میں پاکیزگی پیدا کرنا تھا۔ یہ مقصد کتنا مبارک، ارفع اور مقدس تھا۔ تحریکِ پاکستان کے مجاہدین خصوصاً علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور چودہری رحمت علی وغیرہ نے نیک نیتی اور خلوص و ایثار سے کام لے کر اسلامیانِ ہند کے لیے اسلامی مملکت کا حسین خواب دیکھا تھا۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد خود غرض سیاستدانوں نے اسے پاکستان کی بجائے مسائلستان بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اگر کوئی احمق اور کاہل مریض طبیب یا ڈاکٹر کی دی ہوئی شفا بخش دوا لے کے اسے صحیح طور پر استعمال نہ کرے یا اسے بالکل ہی نظر انداز کر دے تو اس میں طبیب یا ڈاکٹر کا کیا قصور ہے؟

قائداعظمؒ کے مندرجہ بالا بیان کئے گئے عزمِ راسخ اور مومنانہ بصیرت کے حامل الفاظ کتنے پُر تاثیر ہیں۔ جو قائد نہ صرف خوداتنی قابلِ ستائش ہمت، بلند حوصلہ اور پختگی عقیدہ کی بنا پر موت سے ہمکنار ہونے کا عزم بالجزم رکھتا ہو اس کی فکر اور شخصیت کو خوامخواہ ہدفِ تنقید بنانا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں۔ قائداعظمؒ کے بعض کاموں یا ان کے طرزِ قیادت سے کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن ان کی حب الوطنی، اسلام دوستی، خلوص، ایثار، سعیٔ مسلسل اور پاکیزگیٔ کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ سہو و نسیان اور خطا سے مکمل طور پر پاک ہونے کے مدعی نہیں تھے۔ وہ تو اختلافِ رائے کی آزادی کے زبردست حامی تھے۔ ان کا سیاسی مسلک عموماً رواداری، وسیع النظری اور آزادیٔ رائے کا عکاس تھا۔

بانیٔ پاکستان کا مندرجہ بالا اقتباس اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ قافلہ یعنی مسلمانوں میں بھی حصولِ پاکستان کے لیے مر مٹنے کا وہی

جذبہ پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھے جس کے وہ قائل تھے۔قرآن نے مومنین کو غالب ہونے کے لیے پہلے اپنے اندر بلند ہمتی اور جفاکشی کی صفات پیدا کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے: ''وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورہ آل عمران، آیت 139)(اور نہ تم سستی کرو اور نہ ہی غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے)۔ایک دور اندیش اور صاحب ہمت راہنما اپنے قافلہ والوں کے اندر ایسے ہی اوصاف پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔اچھے رہنما کی قیادت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی عملی تفسیر ہوا کرتی ہے ۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم قرآن پر عمل کریں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو خدا اپنی نوع انسان کے ساتھ روا رکھتا ہے۔وسیع معنوں میں یہ فرض دوسروں سے محبت اور رواداری کا متقاضی ہے۔

(عیدالفطر کے دن نشری تقریر' 13 نومبر 1939ء)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ ''(تم زمین والوں پر رحم کرو تو خدا تم پر رحم کرے گا)۔گویا خدا ان انسانوں پر رحم کرے گا جو اہلِ زمین پر رحم کریں گے ۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

اللہ نے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دے کر اسے ارضی خلافت کا مسند نشین بنایا ہے' اس لیے نائب حق ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ خدا کی تمام مخلوقات کے ساتھ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئے۔قائد اعظمؒ کے الفاظ

دراصل اسی اسلامی تعلیم کی صدائے بازگشت ہیں۔ اپنے اس قول میں انہوں نے دوسری بات یہ بتائی کہ ہمیں رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں ایک آیتِ قرآنی کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (سورہ الکہف آیت 29) (اور (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے اس سے انکار کر دے)۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کی شکل میں ہمارے پاس حق کو بھیج دیا ہے۔ اب یہ انسانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں یا ان سے انکار کر دیں۔ گویا حق اور باطل کا معیار ہمارے پاس آ گیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے ہمیں آزادیٔ انتخاب دی گئی ہے۔ ہم جو روش اختیار کریں گے وہ مخصوص اچھے یا برے نتائج کی حامل ہوگی۔ اسلام تلوار کے زور سے اپنی بات منوانے کا قائل نہیں ہے۔ البتہ باطل کی جارحیت اور ظلم و فساد کے مٹانے کے لیے اسے آخری حربہ کے طور پر استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر تمام دنیا فتنہ و فساد اور ظلم و جبر کی آماجگاہ بن جائے گی۔

ذات پات کی نفی

"ذات پات ہندوؤں کے مذہبی اور سماجی نظام کی بنیاد ہے...... اس کے برعکس مذہبِ اسلام انسانی مساوات کے تصور پر مبنی ہے۔"

(ٹائم اینڈ ٹائڈ آف لندن کے لیے مقالہ' 19 جنوری 1940ء)

اسلام کی رو سے ہر انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے انسان کو کسی طرح بھی اپنا غلام بنائے اور نہ ہی اسلام نے

انسانوں کو کسی لحاظ سے گھٹیا اور ذلیل بنایا ہے۔ بلکہ اس نے تو ہر انسان کو کسی مذہبی، ثقافتی، سماجی اور لسانی امتیاز کے بغیر قابلِ عزت قرار دیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ'' (سورہ بنی اسرائیل آیت 70) (اور ہم نے اولادِ آدم کو قابلِ تکریم بنایا ہے)۔ رسول کریم ﷺ نے بھی اس بات پر زور دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آخری حج کے موقع پر اپنے انقلابی منشورِ انسانیت میں فرمایا تھا:-

''اَیُّھَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَ اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ. اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِی عَلٰی عَجَمِی وَلَا لِعَجمِیَ عَلٰی عَرَبِی وَلَا لِاحمرَ عَلٰی اَسْوَد ولا لِاَسْوَد عَلٰی احمرَ اِلَّا بِالتَّقوٰی'' (اے انسانو! آگاہ ہو جاؤ۔ بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بلا شبہ تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبر دار رہو کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور نہ ہی سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے)۔ اسلام کی یہ تعلیم محض نظری ہی نہیں تھی بلکہ تاریخ اسلام میں اس کے عملی نمونے بھی مذکور ہیں۔ حضرت بلالؓ حبش سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ جب اسلام لائے تو کالے رنگ کی وجہ سے ان کے ساتھ کسی قسم کی نفرت کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ انہیں ''سیّد بلال'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ انہیں اسلام کا پہلا موذن ہونے کا بھی اعزاز بخشا گیا۔ اسی طرح غلاموں کو معاشرتی زندگی میں بھی اعلیٰ مقام دیا گیا۔ ہندوستان میں خاندانِ غلاماں نے تو حکومت بھی کی تھی۔ اسلامی قانون کی نظر میں بھی انہیں مساوات عطا کی گئی ہے۔ قرآن نے قانونی مساوات کا حکم دیتے ہوئے کہا ''اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ'' (سورہ النساء آیت 58) (جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کیا کرو)

اسلام کے برعکس ہندو دھرم میں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔آخری درجے میں اچھوتوں کو رکھا گیا ہے۔موجودہ دور تہذیب میں بھی انہیں معاشرتی زندگی میں اعلیٰ مقام نہیں دیا جاتا۔آئے دن مسلمانوں کی طرح انہیں بھی ہدف نفرت وستم بنایا جاتا ہے۔اس طرز زندگی کا اسلام کی انسانیت نواز اور عادلانہ تعلیم سے کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔علامہ اقبالؒ نے شودروں کی زبوں حالی پر آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا ۔

آہ! شودر کے لیے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

''اسلام امور زندگی کے سماجی پہلو پر بہت زور دیتا ہے۔ہر روز مسجد میں پانچ بار علاقے کے امیر وغریب اور چھوٹے بڑے جمع ہوتے ہیں...... اس طرح نماز کے ذریعے صحت مندانہ سماجی تعلق کی بنیاد پڑتی ہے۔''

(مسلمانانِ ہند کے نام عید پر پیغام' اکتوبر 1941ء)

اسلام محض چند عقائد وعبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں انسانی زندگی کے جملہ اہم امور شامل ہیں۔دین ودنیا کا حسین امتزاج ہونے کی حیثیت سے اس میں مذہبی معاملات بھی ہیں اور دنیوی امور بھی۔یہ خدا اور بندے کے درمیان نجی معاملہ نہیں جس میں انسانی معاشرت،معیشت اور سیاست کے باہمی معاملات کی گنجائش نہیں ہوتی۔اسلام میں نماز باجماعت کی ادائیگی،ایک ہی مہینہ میں سب مسلمانوں کا ل کر روزے رکھنے کا انداز،محتاج اور غریب مسلمانوں کے لیے زکوٰۃ کی شکل میں دولت کی تقسیم اور حج کے موقع پر مسلمانوں کا اجتماعِ عظیم،اسلام کے اجتماعی نظام کے آئینہ دار ہیں۔مزید براں خانگی زندگی میں والدین اور بچوں،خاوند اور بیوی،

ہمسایوں، شہریوں اور عالمی سطح پر انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا نظام اس حقیقت کا شاہد ہے کہ اسلام اجتماعیت کا حامل دین ہے۔ بہترین معاشرتی زندگی کے لیے اس نے اپنے پیروکاروں کو باہمی اخوت کا درس دیتے ہوئے کہا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" (سورۃ الحجرات' آیت 10) (بے شک تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے بھی فرمایا ہے "اَنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ" (بلاشبہ سب بندے رشتۂ اخوت میں پروئے ہوئے ہیں)۔ ہادیٔ اعظم ﷺ نے ہمیشہ اپنے قول و فعل سے اسے ثابت کیا تھا۔ وہ اجتماعی اعمال اور امور کو انفرادی افعال پر ترجیح دیا کرتے تھے کیونکہ یہ اسلامی فلسفۂ حیات کا ایک اہم اور نمایاں پہلو ہے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس فکر کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کے اجتماعی پہلو پر زور دیا ہے:-

"ہم مستقبل میں عالمی امن کے ضمن میں بھی متحد ہو کر ہی اپنا کردار ادا کریں گے"۔

(عیدالفطر کے موقع پر پیغام' اکتوبر 1942ء)

اخوت و مساوات

اسلام چونکہ اجتماعیت اور انسانی برادری کی فلاح و ہدایت کا بھی حامی ہے۔ اس لیے یہ اخوت، مساوات اور حریت کے زریں اصولوں کا حلقہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے پر زور دیتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے اسلامی اخلاقیات بھی مسلم معاشرے تک محدود نہیں بلکہ ساری انسانیت کی بھلائی، فلاح اور امنِ عالم کے فروغ کی حامل ہیں۔ اسلام فتنہ و فسادِ عالم کی بجائے امنِ عامہ کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن مسلمانوں کو یہ عالمی کردار ادا کرنے کی ان الفاظ میں تاکید کرتا ہے:- تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

التَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورہ المائدہ، آیت 2)
(تم نیکی اور تقویٰ سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے لیے ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔ اسلام کا یہ اخلاقی نظام صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دیگر عام انسانوں کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح نا انصافی کو اپنے اخلاقی نظام سے خارج کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے: "وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا" (سورہ المائدہ، آیت 8) (کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر نہ اکسائے کہ تم انصاف نہ کرو) گویا دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان دونوں اخلاقی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی قومیں بدی کے معاملے میں دوسری اقوام کی مدد نہ کریں اور کسی کی عداوت کا لحاظ رکھے بغیر عدل و انصاف سے کام لیں تو پھر بہت سے بین الاقوامی تنازعات بخوبی حل ہو سکیں گے اور یوں امنِ عالم کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر طاقتور قومیں اپنے ہی بنائے ہوئے قوانینِ امن کی دھجیاں بکھیرنے پر تلی ہوئی ہوں تو پھر دنیا میں امن و امان کا حسین خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا؟

"اسلام ان غیر مسلموں کے ساتھ جو ہماری حفاظت میں ہوں عدل و انصاف، مساوات، تحمل، رواداری اور فیاضانہ سلوک کا حامی ہے۔ یہ غیر مسلم ہمارے بھائیوں کی مانند ہیں"۔

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر 2 نومبر 1941ء)

دینِ اسلام کا اخلاقی نظام تمام بنی نوع انسان کی اخوت، قانونی مساوات، معاشرتی امن و امان، اقتصادی خوشحالی اور سیاسی آزادی پر محیط ہے۔ وہ غیر مسلموں کو بھی اسلامی مملکت میں مذہبی آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور

طرزِ عبادت کے مطابق امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جاتی اور نہ ہی انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور کیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں قرآن مجید نے کہا ہے "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" (سورہ الکافرون' آیت 6) (تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین)۔ مسلمان شہریوں کی طرح ان کو بھی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت فراہم کی جاتی ہے۔ اقلیتوں کے معاملات میں ان کی رائے کو قابلِ اعتبار سمجھا جائے گا۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ صحیح اسلامی مملکت میں قانون کی نگاہ میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں۔ اس لحاظ سے مذہب کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ جب تک غیر مسلم' ملک کے قوانین کا احترام کرتے رہیں گے اور دوسروں کے حقوق غصب نہیں کریں گے' ان کے ساتھ مساوی اور فیاضانہ سلوک کیا جائے گا۔ قائد اعظمؒ نے بجا کہا ہے کہ وہ اچھے اور امن پسند شہری ہونے کی حیثیت سے ہمارے مسلمان بھائیوں کی طرح ہیں۔

"ہماری ہدایت اور باطنی روشنی کے لیے ہمارے پاس قرآن کا عظیم ترین پیغام ہے۔"

(مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام پیغام' 4 اپریل 1943ء)

قرآنِ حکیم مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور بنی نوع انسان کے لیے عموماً ہدایت، فلاح، کامیابی، امن و سکون اور بہترین معاشرتی زندگی کے لیے ہدایت اور باطنی نور کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ خدائے واحد کی آخری مستند اور غیر متبدل کتاب ہے جس میں ہر دور کے انسانوں کے جملہ اہم مسائل کا حل ہے۔ اس کا اخلاقی نظام ان تمام صفات، سنہری اصولوں اور اقدارِ اعلیٰ کا حامل ہے جن کی پیروی کرکے معاشرتی زندگی پرامن، کامیاب اور سکونِ قلب کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر کسی کے دل اور

دماغ میں اس خدائی ضابطۂ حیات کی روشنی ہوگی تو اس انسان کے اعمال اور اقوال بھی نورانیت، قلبی پاکیزگی، ذہنی طہارت اور اعلیٰ اخلاق کے عکاس بن جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر قلب ونگاہ پر تاریکی محیط ہے تو پھر اس سے اچھے اخلاق کی توقع عبث ہوگی۔ قائداعظمؒ کے مندرجہ بالا الفاظ میں اسی اسلامی ضابطۂ اخلاق اور قرآنی پیغام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کو "ھدیً وَّنور" (ہدایت اور روشنی) کہا ہے۔ اپنے کردار میں جدت اور بہتر تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ہمیں اس بحرِ ہدایت ونور میں غوطہ زنی کی ضرورت ہوگی۔ بقول اقبالؒ ؎

قرآن میں ہوغوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

"آیئے ہم اپنی مخفی صلاحیتوں سے درست انداز میں فائدہ اٹھائیں۔"

(ایضاً 4اپریل 1943ء)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر پوشیدہ صلاحیتیں رکھ دی ہیں تاکہ وہ انہیں اپنے درست اقوال اور اعلیٰ افعال سے اجاگر کرے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوار سکے۔ اگر کسی معاشرہ کے تمام افراد اپنی خداداد پوشیدہ صلاحیتوں کی صحیح طور پر نشوونما کرلیں تو پھر وہ بہترین معاشرتی زندگی گزارنے کے لائق ہو جائیں گے۔ اعلیٰ اخلاق کے بغیر اعلیٰ معاشرت کو جنم نہیں دیا جاسکتا۔ جیسے افراد ہوں گے ویسا ہی معاشرہ بنے گا کیونکہ یہی قانونِ قدرت ہے۔

"اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آپ آگے بڑھیں اور عوام کی اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر تنظیم کریں۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور کے اجلاس میں صدارتی خطاب' مارچ 1940ء)

قائداعظمؒ مسلمانوں خصوصاً مسلم رہنماؤں کو اسلام کے صحیح خادم کے طور پر دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ ان کی رائے میں صحیح رہنما وہی ہے جو عوام الناس کی فلاح اور ترقی کے لیے کام کرے اور ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت سرانجام دے۔ صحیح رہنما کا کام عوام کی درست منزل کی طرف راہنمائی ہے تاکہ ملک میں سب لوگ باہمی محبت، صلح وآشتی اور اخوت کے حامل ہو جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:-

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (قوم کا سردار لوگوں کا خادم ہے)۔ علامہ اقبالؒ نے اسی قول پیغمبر ﷺ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

سروری در دین ما خدمت گری است

(ہمارے دین میں سرداری دراصل خدمت کرنا ہے)۔ بانی پاکستان کے الفاظ بھی اسی اسلامی فکر اور اسلامی اخلاق کے آئینہ دار ہیں۔

IV

قائداعظمؒ اور اتحادِ ملّت

دعا کی اہمیت

"قرآنِ پاک کی رو سے دعا اور زندگی کے درمیان نہایت حقیقی ربط پایا جاتا ہے۔"

(عیدالفطر کے دن نشری تقریر' 13 نومبر 1939ء)

خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی خوبی اور کمال کا منبع ہے۔ اس کے اسمائے حسنہ اور صفاتِ کاملہ کا ذکر جابجا قرآن مجید میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ بے پایاں سے کام لے کر ہمیں قرآن کی نعمتِ عظمیٰ عطا کی ہے تاکہ ہم اس کی تعلیمات پر عمل کر کے اپنی زندگی میں نکھار پیدا کریں اور نیک اعمال کے ذریعے دنیا اور دین کی حسنات کے مستحق ہو سکیں۔ اسی کتابِ ہدیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ انسان باقی مخلوقات پر برتری رکھنے کے باوجود اپنی خواہشات کی تکمیل اور قلبی سکون و راحت کے لیے خدا کی عنایت کا محتاج ہے۔ جب کوئی صاحبِ ایمان آدمی کسی قسم کی پریشانی اور مشکل سے دوچار ہوتا ہے تو وہ لازماً خدا کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کی مدد کا طلبگار بن جاتا ہے۔ انسان ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا' اس لیے وہ ہر خواہش کو خود پورا کرنے میں اپنے عجز کا اقرار کر کے بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہماری زندگی اور دعا کے درمیان بہت گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ انسان ساری عمر کمزور سہاروں پر تکیہ کرنے کے بعد یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا حقیقی اور

پائیدار سہارا خدا کی ذات ہی ہے۔ وہی ہمارا مشکل کشا، حاجت روا اور مونس و غم خوار ہے۔ انسانوں پر تکیہ کرنا عارضی نوعیت رکھتا ہے۔ بقول شاعر ؎

تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

قائدِ اعظمؒ نے درست کہا ہے کہ زندگی دعا کے ساتھ مربوط ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے: "اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ" (سورہ فاطر، آیت 15) (تم سب محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور تعریف والا ہے)۔

نائبِ حق

"قرآن میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے...... ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم قرآن پر عمل کریں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو خدا بنی نوع انسانی کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ وسیع معنوں میں یہ فرض دوسروں سے محبت اور رواداری کا تقاضا کرتا ہے۔ آپ میری بات پر یقین کریں کہ یہ کوئی منفی فرض نہیں بلکہ یہ تو مثبت فریضہ ہے۔"

(عید الفطر کے دن نشری تقریر، 13 نومبر 1939ء)

خدا تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ احکامِ الٰہی کے مطابق عمل کر کے اس ارضی کائنات کو امن و راحت کا گہوارہ بنا سکے۔ کائنات کی تمام چیزیں انسان کی خدمت اور اس کے صحیح استعمال کے لیے پیدا کی گئی ہیں کیونکہ اسے خدا نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے حتیٰ کہ وہ مسجودِ ملائکہ بھی ہوا۔ ارشادِ خداوندی ہے:-

"وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" (سورہ البقرہ آیت 30) (اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں)۔

خدا نے اپنے اس ارضی نائب کے لیے فطرت کی تمام اشیا کو مسخر کر دیا۔ بقول اقبالؒ

نائبِ حق در جہاں بُودن خوش است　　بر عناصر حکمراں بُودن خوش است

(دنیا میں خدا کا نائب ہونا اور عناصر (قدرتی اشیا) پر حکمرانی کرنا بہت اچھا ہے)

قائداعظمؒ نے مندرجہ بالا قول میں جس دوسری چیز پر زور دیا ہے وہ رحم، محبت اور رواداری ہے۔ انسانی زندگی کی مسرتوں، خوشگواریوں اور رعنائیوں میں اضافہ کرنے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ تمام انسان اپنے خود ساختہ اور نفرت انگیز اصولوں سے بلند ہو کر باہمی محبت، رواداری اور شفقت و رحم سے کام لیں۔ اس کائنات کے خالق نے خود کہا ہے کہ وہ فتنہ و فساد، ظلم اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتا۔ خدا کی قائم کردہ اس حد کے اندر رہ کر ہمیں بھی صلح پسندی، عدل، تحمل اور الفتِ باہمی کا ثبوت دینا چاہیے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:-

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ" (تم اہلِ زمین پر رحم کرو، اللہ تم پر رحم کرے گا)۔ مولانا حالی نے اس حدیث کو یوں منظوم کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

عرفانِ ذات (خودی)

"ہماری ہدایت اور باطنی روشنی کے لیے ہمارے پاس قرآن کا عظیم پیغام موجود ہے۔ ہمیں اب صرف یہ کرنا ہے کہ ہم اپنی ذات کی آگاہی کے علاوہ ان عظیم صفات اور طاقتوں کو بھی جانیں جو ہمیں عطا کی گئی ہیں۔ آئیے ہم اس عظیم نصب

الحمین کے مطابق عمل کریں۔"

(مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام پیغام' 4 اپریل 1943ء)

بانئ پاکستان نے اپنے اس قول میں دو اہم باتوں کا ذکر کیا ہے۔قرآنی ہدایت اور روشنی کے مطابق عمل کرنا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی پہچان یعنی عرفانِ ذات (خودی)۔آپ نے قرآنِ حکیم کو ہدایت اور روشنی کہا ہے۔یہ بالکل درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس پاک، آخری اور غیر تبدیل شدہ کتابِ عظیم کو کئی صفات سے پکارا ہے۔مثلاً "هُدًى وَّ نُوْر "(ہدایت اور نور)"هُدًى لِّلنَّاسِ " (لوگوں کے لیے ہدایت)"ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ "(تمام جہانوں کے لیے نصیحت)۔ اب اس آخری کتابِ ربانی پر عمل کرنا ہوگا کیونکہ یہ حضور ﷺ سے پہلے آنے والے تمام انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کا خلاصہ اور روح ہے۔گویا یہ کتاب ہدایتِ انسانیت کے لیے کامل اور یقینی راہ نما ہے۔اس میں کسی قسم کی تحریف اور تبدیلی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے فرمایا ہے۔"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ الحجر، آیت 9)(بے شک ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور بلا شبہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

جس چیز کی مکمل حفاظت کا خود خدا نے ذمہ لیا ہو اس میں انسانی تبدیلی اور تحریف کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔بقول اقبالؒ ۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمتِ اُو لا یزال است و قدیم
حرفِ اُو را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

(حکمت آمیز قرآن وہ زندہ کتاب ہے جس کی حکمت لازوال اور قدیم

ہے۔ اس کے الفاظ میں نہ کوئی شک ہے نہ کوئی تبدیلی۔ اس کی آیات کسی تاویل کی محتاج نہیں)۔ یہ کتاب زندہ آج بھی زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گی کیونکہ یہ لازوال حقائق کی حامل ہے۔ یہ موجودہ زمانے میں بھی قابلِ عمل ہے اور آئندہ بھی انسانیت اس کے زریں اصولوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ انسانوں کو عقیدہ و عمل کی تاریکیوں اور گمراہیوں سے پاک کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ سراپا نور ہے۔ اس نور سے اکتسابِ عمل کرنے والے زندگی کی منزل سے بخوبی آشنا ہو جاتے ہیں اور ان کا سینہ بھی گنجینۂ نور بن جاتا ہے۔ اس فدائی مشعل سے گہرا ربط رکھنے والوں کے دلوں اور ذہنوں سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ ان پوشیدہ حقائق اور مستور اسرار کو بے نقاب دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں جو عام انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: ''مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ قائداعظمؒ نے بجا طور پر اسے ہدایت، باطنی روشنی اور عظیم پیغام کہا ہے۔ جو عظیم رہنما خود قرآنی پیغام کی عظمت اور افادیت کا بہ دل و جان قائل ہو، وہ کیسے لادین سیاست (سیکولر پالیٹکس) کو اسلامی مملکت کے لیے درست قرار دے سکتا ہے؟

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے اس قول میں خودی کی اہمیت اور اسے قرآنی پیغام کے تحت فروغ دینے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کیا یہ امر مسلمہ نہیں کہ خدا نے انسانوں کو مختلف پوشیدہ صلاحیتوں اور طاقتوں سے نوازا ہے؟ ان باطنی خداداد قوتوں کی پہچان اور ان کا صحیح ادراک پہلا مرحلہ ہے۔ دوسرا مرحلہ انہیں پروان چڑھانے کے لیے موزوں طریقِ کار کی ضرورت کا ہوتا ہے تاکہ وہ بہترین انداز میں مستحکم ہو سکیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ انہیں نشوونما دینے کے لیے غلط طریقہ استعمال کرے یا صحیح۔ اس طرح عملی اعتبار سے خودی کی دو قسمیں ہو

جائیں گی: بری خودی اور اچھی خودی۔ اس کی مزید تقسیم انفرادی خودی اور اجتماعی خودی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اگر خودی کو فطرتِ انسانی کے مقرر کردہ نظامِ حیات کے مطابق پروان چڑھایا جائے تو یہ معاشرے، قوم، ملک اور انسانیت کے لیے مفید اور باعثِ امن ثابت ہوگی۔ خودی کے موضوع سے متعلق چند قرآنی آیات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ اس امر کی صراحت کے لیے یہاں ایک قرآنی آیت پیش کی جاتی ہے۔ اپنے نفس (انسانی ذات) کی حفاظت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اہلِ ایمان سے یوں خطاب کیا گیا ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ" (سورہ المائدہ، آیت 105) (اے مومنو! اپنے نفس کی حفاظت کرو)۔ قائد اعظمؒ نے اسی قرآنی ہدایت کی روشنی میں خودی کی صحیح تربیت پر زور دیا ہے۔ خودی کی درست تربیت ہی سے ہماری زندگی میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے

جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

"یہ عظیم کتاب یعنی قرآن (ہندوستان کے) مسلمانوں کا آخری سہارا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے توں توں ہم میں وحدت پیدا ہوتی جائے گی یعنی ایک خدا، ایک کتاب، ایک پیغمبر ﷺ اور ایک قوم"۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں تقریر، 26 دسمبر 1943ء)

قرآنِ مجید - آخری سہارا

قرآنِ مجید کی تعلیمات کا خلاصہ خدا تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کی بندگی اختیار کرتے ہوئے اس کے عطا کردہ ضابطۂ حیات پر بہ رضا و رغبت غیر مشروط اور مکمل اطاعت کا عملی ثبوت دینا ہے۔ اسی ضمن میں اس کے آخری نبی ﷺ کے ارشادات و فرمودات کو حرزِ جاں بنانا بندۂ مومن کا شیوۂ محبت و عقیدت ہے۔ ایمان کے باقی اہم

اجزا اور ارکانِ اسلام پر کامل یقین رکھنا عقیدۂ توحید ی کا لازم نتیجہ ہے۔ خدا کو اپنا خالق، رازق اور حاکم مطلق تسلیم کر کے باہمی عقیدۂ توحید کی بنیاد پر پر امن زندگی بسر کرنے سے مسلمانوں میں لازماً مذہبی، ملی اور ملکی وحدت جنم لیتی ہے۔ اس کے برعکس اپنے ذاتی مفادات اور تعصب پر مبنی نظریات کو ملی اور مذہبی مفادات پر ترجیح دینا یا ان کو مکمل طور پر پس پشت ڈالنا قرآن وسنت کی واضح خلاف ورزی ہے۔ جو ملک بھی باہمی عناد اور گروہی تعصبات کا شکار ہوتا ہے اس کا ملی شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جب ملت و ملک مختلف متحارب گروہوں اور فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر سیاسی ابتری، خانہ جنگی، معاشی پس ماندگی، سیاسی غلامی اور مذہبی رزم آرائی کا ہی دور دورہ ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو باہمی اتحاد اور بھائی چارے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے: ''اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ '' (سورہ المومنون، آیت 52) (بے شک تمہاری یہ امّت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرا کرو)۔ قرآن نے ایک دوسرے موقع پر مسلمانوں کو خدا کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی سے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک کتاب (قرآن)، ایک خانۂ کعبہ اور ایک امّت کا دعویٰ کرنے والوں میں مختلف فساد انگیز گروہوں اور جماعتوں کا وجود ان کے عملی تضاد کا بیّن ثبوت ہے۔ کیا قومیں اس طرح ترقی کی منزلیں طے کر سکتی ہیں؟ ہر گز نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے اس فکری اور عملی تضاد کے بارے میں درست ہی کہا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

قائداعظمؒ نے اپنے عمیق مطالعۂ قرآن اور عقیدۂ توحید کے فلسفہ کی روشنی میں بجا کہا تھا کہ اسلامیانِ ہند کا آخری سہارا قرآن ہی ہے کیونکہ اس کی اتحاد پرور

تعلیمات پر چل کر ہی وہ مذہبی اور سیاسی طور پر متحد ہو سکتے ہیں اور یوں وہ ناسازگار حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے عروسِ آزادی سے ہمکنار ہو سکیں گے۔ جب آپ نے یہ الفاظ کہے تھے اس وقت پاکستان معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ اب انڈیا کے مجبور، مظلوم اور پریشان حال مسلمان بھی اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لیے قرآن کو اپنا آخری سہارا بنا سکتے ہیں۔ جس کسی نے بھی یہ سہارا اپنایا ہے اُسے عروج اور عظمت کی منزل ملی ہے۔ اقبال نے کہا ہے ۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو عام طور پر محض ایک سیاستدان تصور کیا جاتا ہے اور آپ کی سیاسی سرگرمیوں پر ہی لکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم انسان کی زندگی کے دوسرے اہم پہلو بھی ہیں جن کی کماحقہٗ نقاب کشائی نہیں کی گئی۔ ہماری زندگی مختلف جہات اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں معاشرت بھی ہے اور معیشت بھی، سیاست بھی ہے اور دین بھی۔ سیاست کو دین سے الگ کر کے دیکھا جائے تو وہ ادھورا مطالعہ ہوگا کیونکہ انسان کی ساری سرگرمیوں اور اعمال کا سرچشمہ بنیادی افکار ہوتے ہیں۔ اگرچہ افکار اور نظریات کا تعلق نادیدنی دنیا سے ہے تاہم ہمارے اعمال ان کا خارجی پیکر بن جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہماری شخصیت کے ظاہری اعمال اور مادی سرگرمیوں کا سرا ہمارے باطن سے ملا ہوتا ہے۔ کسی کی ظاہری سرگرمیوں اور افعال ہی پر نظر رکھنے سے اس کی شخصیت کا جائزہ نامکمل رہتا ہے۔ قائد اعظمؒ کی سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہمیں آپ کی اس بنیادی فکر کا بھی ذکر کرنا ہوگا جس نے آپ کی شخصیت میں بوقلمونی اور جاذبیت کو جنم دیا اور آپ کو اپنے زمانے کا عظیم ترین سیاسی مفکر بنا دیا تھا۔ موتیوں سے بھرے

ہوئے دریا کی محض سطح کو دیکھ کر مسحور ہو جانا اور اس کی تہہ میں پوشیدہ گنج ہائے گراں مایہ کا سراغ نہ لگانا سخت قسم کی نادانی اور کاہلی کا ثبوت دینا ہے۔ قائد اعظمؒ کی تقاریر اور بیانات کی بنیاد جس اسلامی فکر پر ہے' اس کا جائزہ لینا بھی تحقیق پسند حضرات کا علمی فریضہ ہے۔ کوئی بھی عمارت ایسی نہیں ہوتی جس کی کوئی بنیاد نہ ہو۔ اسی طرح انسانی افعال بھی کسی نہ کسی فکری اساس کے بغیر نہیں ہوا کرتے۔ آیئے! ہم اختصار کے ساتھ اس عظیم سیاستدان کی اسلامی فکر کے چند پہلوؤں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں اور اس کی ہمہ جہت اہمیت و افادیت سے بھی قدرے روشناس ہو جائیں۔ یہاں چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:-

''اسلام ہر مسلمان سے اپنے عوامی فرائض کو پورا کرنے کی امید رکھتا ہے۔ اپنے گذشتہ ورثے اور اپنی روایات کے لائق آبرومندانہ مقام کو برقرار رکھنے کے لیے .....ہر ایک کو بڑی سے بڑی خدمت اور قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے''۔

(مسلم یوتھ آف انڈیا مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے نام پیغام' ستمبر 1939ء)

''میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنی ذات پر اعتماد کریں اور وہ اپنی تقدیر اپنے ہی ہاتھوں میں رکھیں''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں صدارتی خطبہ' اکتوبر 1937ء)

''اس وقت آپ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہیں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ کر اپنی توجہ کو متاثر نہ ہونے دیں''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ' پٹنہ کے اجلاس میں خطبہ صدارت' 26-29 دسمبر 1938ء)

''اے مسلمانو! تمہیں اپنے اندر مکمل وحدت اور استحکام کو برقرار رکھنا چاہیے۔ اگر تم آپس میں لڑتے رہو گے تو کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا اور تم الگ الگ ہو جاؤ گے .... تمہیں ایمان، اتحاد اور نظم میں واضح طور پر یقین کرنا چاہیے اور

بے لوث ہو کر اس پر عمل کرنا چاہیے"۔

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن' ناگپور کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطاب' 26دسمبر 1941ء)

"مسلمانو! آئندہ پیش آنے والے تمام واقعات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو منظم کرلو"۔

(آل انڈیا مسلم لیگ' الہ آباد اجلاس میں خطبۂ صدارت' 4اپریل 1942ء)

"کانگریس اور برطانوی حکومت کے مسلمان ایجنٹوں کی طرف سے مسلم لیگ میں انتشار پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض حضرات کانگرس میں گھس کر برطانوی سامراج کی حمایت کر رہے ہیں.... میں اسے مسلمان تسلیم نہیں کرتا جو دشمن کی جماعت میں جا کر ہمیں چھرا گھونپتا ہے۔"

(یوم قرارداد پاکستان کے بارے میں تقریر' 23مارچ 1942ء)

"آیئے ہم روحانی اور ذہنی وحدت کے حامل بن جائیں۔ آیئے ہم ایک مضبوط قوم کی حیثیت سے متحد ہو جائیں"۔

(عیدالفطر کے موقع پر پیغام' اکتوبر 1942)

گزشتہ موقع پر میں نے آپ کو ایمان، اتحاد اور نظم کا نعرہ ذہن نشین کرایا تھا۔ اگر آپ زندہ رہنے اور اپنی متاع عزیز یعنی اسلام کے قیمتی ورثے کو برقرار رکھنے کے آرزومند ہیں تو پھر آپ قسم کھائیں اور کام کرتے رہیں۔ اگر آپ اپنے اندر جماعتی کام، ایثار، باہمی تعاون' مدد اور خدمت کی خوبیاں پیدا کر لیں تو پھر روئے زمین کی کوئی طاقت آپ کو دبا نہیں سکتی"۔

(مسلم یونیورسٹی یونین' علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر' 2نومبر 1942ء)

"آیئے ہم سب مل کر یہ عزم بالجزم کریں کہ ہم مستقبل میں عالمی امن

کے ضمن میں بھی متحد ہو کر ہی اپنا کردار ادا کریں گے"۔

(عیدالفطر کے موقع پر پیغام' اکتوبر 1942ء)

"ہم مسلمانوں کو مستقبل کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی پوشیدہ خوبیوں، اپنی قدرتی صلاحیتوں، اپنے اندرونی استحکام اور متحدہ ارادے پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

(یوم قرارداد پاکستان کے بارے میں پیغام' 23 مارچ 1943ء)

"آپ چھوٹی چھوٹی باتوں، معمولی جھگڑوں اور قبائلی تصورات کے بارے میں اپنی باہمی رقابتوں، گروہی مفادات اور اختلافات کو ترک کر دیں۔"

(بلوچستان مسلم لیگ کانفرنس میں تقریر' 3 جولائی 1943ء)

بنیادی باتیں

(1) اسلام دراصل ایک ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام اہم شعبہ جات پر محیط ہے۔ یہ پرامن اور صالح معاشرہ پیدا کرنے پر بار بار زور دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ اپنے ماننے والوں پر کچھ ذمہ داریاں اور اخلاقی اصول عائد کرتا ہے تا کہ ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ حقوق وفرائض کا ایک جامع نظامِ اخلاق ہے۔ ہر مسلمان پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے حقوق خصوصاً جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، باہمی محبت و اخوت اور احترامِ انسانیت کی پاسداری کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے الوداعی حج کے موقعہ پر مسلمانوں کے جمِ غفیر سے یوں خطاب فرمایا تھا:-

"اَنَّ دِمَاءَ کُمْ وَاَ مْوَالَکُمْ وَاَ عْرَاضَکُمْ حَرَامٌ کَحُرِمَۃِ یَوْمِکُم ھٰذَا" (بے شک تمہارے خون (جانیں)' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسا کہ آج کا یہ دن (یومِ حج) تمہارے لیے حرمت والا

ہے)۔ اگر ہر مسلمان اس ارشادِ نبوی ﷺ پر سختی سے عمل کرے تو مسلم معاشرہ امن و راحت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

(2) جس طرح کسی انسان کی زندگی کا ماضی نہ تو فراموش کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے نظر انداز کرنا ممکن ہے' اسی طرح قوموں کا بھی اپنے ماضی سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہوتا ہے۔ ماضی کے حالات و تجربات کی روشنی میں قومیں اپنے موجودہ کوائف کا تنقیدی جائزہ لے کر اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کی سعی کرتی ہیں۔ اگر عہدِ گزشتہ شاندار روایات اور زرّیں کارناموں کا حامل ہو تو اسے کسی طرح بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ ان روایات کو یاد رکھنے کے لیے مختلف تقاریب اور مجالس وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے تا کہ عام لوگ ان پر فخر کرتے ہوئے ان روایات کو مستقبل کے لیے بطور آئینہ استعمال کریں اور یوں ترقی و عظمت کی منزلیں طے کرتے رہیں۔ قائداعظمؒ نے بھی اس نفسیاتی اور تاریخی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کئی مواقع پر اپنے عہد کے پس ماندہ اور مایوس مسلمانوں کے اندر عزمِ نو اور رجائیت آمیز جذبات بیدار کرنے کی خاطر انہیں اپنے شاندار ماضی کے گراں قدر ورثے کی حفاظت کی یاد دہانی کرائی ہے۔

(3) انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب بنا کر اسے خاص مرتبہ عطا کیا ہے۔ اس نے اپنے اس نائب کو کٹھ پتلی نہیں بنایا بلکہ اسے خاص اختیارات بھی دیے ہیں۔ وہ نائب ہی کیا جو مکمل طور پر بے بس بنا دیا جائے۔ انسان کو دست و بازو عطا کیے، عقل و فہم، خیر و شر میں امتیاز کرنے کے انتخاب کی آزادی بھی دی ہے اور آزادیٔ عمل سے بھی نوازا ہے۔ اس کی ہدایت کے لیے آسمانی کتب بھی نازل کی ہیں تا کہ اسے خیر و شر کی راہوں اور اپنے اعمال کے نتائج کی جزا اور سزا کا بھی پتہ چل جائے۔ کٹھ پتلی کو امر و نہی کا حکم دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

قرآنِ حکیم نے کہا ہے کہ انسانوں کو ان کی کوشش کا ضرور نتیجہ ملے گا۔ غلط اور اچھی سعی کے مطابق اس کی تقدیر کا فیصلہ ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے: "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (سورہ النجم، آیت 39) (انسان کے لیے کچھ نہیں مگر وہی ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی)۔ دین میں کوئی جبر نہیں کیونکہ قرآن نے ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو واضح کر دیا ہے۔ اب یہ انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اچھی راہ اختیار کرے یا بری راہ۔ قرآن نے اس امر کی یوں وضاحت کی ہے:۔

"وَ وُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ" (سورہ الزمر، آیت 70) (اور ہر نفس کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا)۔ جیسا کوئی عمل کرے گا ویسا ہی اسے بدلہ ملے گا۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے درست ہی کہا تھا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

بانیٔ پاکستان نے بھی اس مسلّمہ بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں کو بڑا ہی صائب مشورہ دیا تھا کہ وہ غیروں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ اپنے ناسازگار حالات کو سازگار بنانے اور اپنی تقدیر کو سنوارنے کے لیے خود ہی کوشش کریں۔ وہی قوم دنیا میں سرفرازی اور عظمت و ترقی کی راہ پر گامزن ہوا کرتی ہے جو اپنی تقدیر بنانے میں خود کوشاں ہو اور غیروں پر تکیہ نہ کرے۔ بقول اقبالؒ۔

خدا آں ملّتے را سروری
داد کہ تقدیرش بدست خویش بنوشت
بآں ملّت سروکارے ندارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

(خدا نے اس قوم کو سرداری دی ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تقدیر لکھی۔ خدا کو اس

قوم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس کے کسانوں نے دوسروں کے لیے کھیتی باڑی کی)۔

(4) اسلامی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے بجا طور پر مسلمانوں کو عملاً وحدت اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ قرآن نے اتحاد کا درس دیتے ہوئے کہا ہے:۔

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا '' (سورہ آلِ عمران' آیت 103) (اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ)۔ جو گروہ انتشارِ فکر کا شکار ہو جاتا ہے وہ کمزور بن کر دوسروں کی غلامی میں چلا جاتا ہے اور بعد ازاں ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قائداعظمؒ مخلص، دور اندیش سیاستدان اور اسلامی فکر کے حامل ہونے کی وجہ سے غیر منظم اور منتشر مسلمانوں کو اسلامی اخوت کی لڑی میں منسلک کرنے کی بار بار سعی کرتے رہے۔ کیا یہ تعلیم سیکولر ذہن کی غمازی کرتی ہے یا اسلامی فکر کی آئینہ دار ہے؟

(5) قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلمانوں کو اس خطرناک ذہنیت سے آگاہ کیا کہ اگر وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے تو پھر کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہماری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآنی اور نبوی درسِ اخوت و اتحاد کو بھلا دیا تو وہ باہمی تنازعات میں الجھ کر اپنی شان و شوکت اور دبدبہ و طنطنہ سے محروم ہو گئے اور نتیجتاً غیروں کے غلام بن گئے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جب وہ ملوکیت کی راہ پر چل پڑے تو آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتے گئے۔

زوالِ بغداد اور زوالِ اندلس کی خونچکاں داستان دراصل مسلمانوں کی اس غلط روش کا لازم اور قدرتی نتیجہ ہے۔ انڈیا میں مغل سلطنت کے انحطاط کا ایک اہم سبب یہی تھا۔ ان تمام تاریخی واقعات پر قائداعظمؒ کی گہری نظر تھی۔ اس لیے

آپ مسلمانوں کو بار بار باہمی اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کا درس دیتے رہے۔ قرآنِ حکیم نے کئی صدیاں پیشتر خبردار کیا تھا کہ اگر تم متحد نہ رہے تو پھر تمہاری دھاک ختم ہو جائے گی۔ اس قرآنی ارشاد کی صداقت ملاحظہ ہو:-

''وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ ''(سورہ الانفال، آیت 46) (اور تم اللہ اور رسول ﷺ کی پیروی کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)۔

رسول کریم ﷺ نے بھی انہیں تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

''اِنَّمَا اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُم اَلْاِخْتِلَافُ'' (بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کر دیا تھا)۔

(6) قائداعظمؒ نے اسلامیانِ برصغیر پاک و ہند کو ایک بڑا ہی معنی خیز، تعمیری، انقلابی اور تنظیم آفریں نعرہ دیا تھا جس کی بنیاد صرف تین الفاظ پر تھی۔ وہ الفاظ یہ ہیں:-

''ایمان، اتحاد، نظم''

کسی جماعت کو اپنے مقاصد کی تکمیل، پروگرام کی کامیابی اور استحکام و ثبات کے لیے نظم کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے۔ نظم کا مطلب ہے مختلف عناصر اور افراد کو ایک ہی لڑی میں پرونا۔ گویا یہ انہیں متحد کرنے کی پہلی منزل ہے۔ جب تک ہم خیال اور ہم مقصد افراد صحیح معنوں میں یک زبان اور یک جان نہیں ہوتے وہ جماعت کی شکل اختیار نہیں کرتے۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا (ایک ایک قطرہ مل کر دریا بنا کرتا ہے)۔ مختلف قطروں کا ملاپ ہی ان کے اجتماع کا آئینہ دار ہو گا۔ خیالات اور مقاصد کی یک رنگی آپس میں ملاپ کا مؤثر ذریعہ بنا کرتی ہے۔ اس باہمی ملاپ

کو ہم باہمی جاذبیت کہہ سکتے ہیں۔ ادبیات اور تصوف و معرفت کی زبان میں اسے عشق کہا جائے گا۔ اس باہمی کشمکش اور جذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

جب مختلف افراد باہمی مقاصد کے اشتراک اور خیالات و جذبات کی یکسانیت کی وجہ سے آپس میں مل کر ایک گروہ، معاشرہ اور جماعت کا روپ دھار لیتے ہیں تو پھر وہ اتحاد کی لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے جماعت سازی کا دوسرا مرحلہ اتحاد ہے۔ افراد کا یہ اتحاد حقیقت میں کسی ایسے بنیادی نظریے کا لازم نتیجہ ہوتا ہے جو اس جماعت کی ساری سرگرمیوں اور کوششوں کو حرکت میں لاتا ہے۔ یہ اصولِ ثلاثہ سیاسی جماعت پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ اب اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے تو پھر شروع میں ایمان، بعد ازاں اتحاد اور آخر میں نظم کا درجہ آئے گا۔ قرآن نے ایمان یعنی اساسِ عقیدۂ اسلام کو اول اور عملِ صالح کو دوسرا اور پھر ان دونوں کے امتزاج سے جنم لینے والے باقی معاشرتی اور اخلاقی اصولوں یعنی اخوت، مساوات اور حریت وغیرہ کو تیسرا درجہ دیا ہے۔

قائدِ اعظمؒ کی ذہانت و فطانت کی داد دیجیے کہ آپ نے اس اسلامی فکر کی ہمہ گیر ملت ساز اہمیت و افادیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ''ایمان' اتحاد' نظم'' کا نعرہ دیا جس کو اختیار کر کے مسلمانوں کی اکثریت نے ہر قسم کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک جداگانہ مملکتِ اسلامیہ کے حصول اور قیام کے لیے پوری طاقت سے جدوجہد کی۔ اس وقت ان سب نے شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی

اور بریلوی وغیرہ کی تفریق کو بھلا دیا تھا۔ اسی طرح پنجابی، بنگالی، بلوچی، پٹھان اور سندھی کا امتیاز بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس بے مثال فکری اور عملی وحدت کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قیامِ پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ آج پھر اسی قسم کی وسیع النظر قیادت اور عوامی اتحاد و نظم کی اشد ضرورت ہے۔ یہی اتحاد ان شاء اللہ ہماری ملکی ترقی، قومی عظمت اور وطن کے استحکام اور اس کی بقا کی ضمانت بن جائے گا۔

(7) ہادیٔ اکبر حضرت محمد ﷺ نے مسلمان کی جامع تعریف بیان کرتے ہوئے یہ حیات بخش تصور دیا تھا:-

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو)۔ اس حکیمانہ ارشاد کے ذریعے آپ نے مختصر الفاظ میں ایک بہت جامع اور عمیق صداقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ دوسروں کو ایذا دینے اور انہیں ذہنی کوفت پہنچانے کے لیے انسان زیادہ تر اپنی زبان اور ہاتھوں ہی سے کام لیتا ہے۔ اگر ان دونوں کو شریعتِ اسلامیہ کی حدود میں رکھا جائے تو پھر ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو بہت کم ایذا رسانی اور تکلیف کی گنجائش ہو گی۔ جب کوئی کلمہ گو مسلمانوں کی خیر خواہ جماعت کو نقصان پہنچانے اور ملی مفادات کا خون کرنے کے لیے غیر مسلموں کے گروہ میں شامل ہو جائے تو اس وقت بہت صدمہ ہوتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کو نقصان پہنچانے والے دشمن محض ہندو لیڈر اور انگریز حاکم ہی نہیں تھے بلکہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے چند نادان حضرات بھی دشمنانِ اسلام کے کاسہ لیس بنے ہوئے تھے۔ جو مسلمان صدقِ دل سے قائد اعظمؒ سے کسی بات پر اختلاف رکھتے تھے اور وہ اسلام کے مخالف نہیں تھے ان کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔ قومی اصلاح اور فروغِ اسلام

کے بارے میں اگر کسی مسلمان کا اختلاف خلوص نیت، علم و برہان اور اجتہادی حیثیت پر مبنی ہو تو اس کی مخالفت خطرناک نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی نیک مقصد کے حصول کے لیے ذرائع اور بھی ہو سکتے ہیں۔ ہر سچے مسلمان سے یہی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ حتی الوسع قومی اصلاح و ترقی میں مدد و معاون ہو۔

(8) اسلامی تعلیمات کی بنیاد عقیدۂ توحید اور رسالتِ محمدی ﷺ میں کامل اور پختہ ایمان پر ہے۔ یہ عقیدۂ توحید صرف مذہبی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اس میں معاشرتی، قومی اور انسانی وحدت بھی شامل ہے۔ خدائے واحد کو ماننے والے وحدتِ انسانیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام اس عقیدۂ توحید کی بنا پر اسلامی معاشرہ کے افراد میں بھی نظریاتی وحدت اور عملی اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اپنی مملکت میں بسنے والے تمام لوگوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق عقیدہ و مذہب اسلامی قانون کی رو سے یکساں عدل و انصاف عطا کرتا ہے۔ تعلیم و ترقی کے مواقع کی مساوات بھی اس کی تعلیمات کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ مسلمانوں کے لیے تو اس عقیدے کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ فکری، ذہنی اور روحانی وحدت کے حامل ہو کر ہی وہ دوسروں کو اسلام کے تین زریں اصولوں حریت، مساوات اور اخوت کی افادیت سے روشناس کرا سکیں گے۔ اگر وہ خود ہی ذہنی اور روحانی وحدت کے حامل نہ بن سکے تو وہ دوسروں میں کیسے ان کی اشاعت کر سکیں گے۔ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کے اندر یہ فکری اور روحانی وحدت پیدا کرنے کی غرض سے انہیں یہ حکم دیا تھا:-

"وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ" (سورہ آلِ عمران، آیت 105) (اور تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ

جنہوں نے فرقہ بندی اختیار کی اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں)۔

مندرجہ بالا امور اور قرآنی آیت کے مفہوم کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا بانیِ پاکستان محمد علی جناحؒ کے یہ الفاظ سامنے رکھیں: ''آیئے ہم روحانی اور ذہنی وحدت کے حامل بن جائیں۔ آیئے ہم مضبوط قوم کی حیثیت سے متحد ہو جائیں''۔ کیا آپ کا یہ پیغام اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار نہیں؟ کیا آپ کی سیاسی فکر میں ہمیں اسلامی فکر کی آمیزش نظر نہیں آتی؟ ایک اور پہلو ملاحظہ ہو کہ آپ نے روحانی فکر کو ذہنی فکر سے مقدم بیان کرتے ہوئے وحی کو عقلِ انسانی پر ترجیح دی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وحدتِ روحانی کی کوکھ سے ہی صحیح فکر کی وحدت جنم لیا کرتی ہے۔ آج کل بھی ملتِ اسلامیہ کو یہی وحدت اختیار کرنی ہوگی تاکہ ہم دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقامِ رفیع حاصل کر سکیں۔ علامہ اقبالؒ نے بھی قائدِ اعظمؒ کی طرح ایسا ہی پیغام دیتے ہوئے کہا تھا ؎

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحبِ نگیں
فرد از توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود

(اے مسلمان!) تُو افکار کی وحدت پیدا کرتا کہ دنیا میں صاحبِ نگیں ہو جائے۔ فرد توحید کی وجہ سے لاہوتی بن جاتا ہے اور ملت اس کے باعث طاقتور ہو جاتی ہے)۔

ملی وحدت کی بنا فکری و عملی وحدت پر ہوتی ہے اور فکری و عملی وحدت کی

بنیاد روحانی ثابت ہوتی ہے اور یہ روحانی وحدت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ماخوذ ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا نغمہ ہے جو بہار اور خزاں دونوں میں الاپنا چاہیے۔ بقول اقبالؒ ؎

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

(9) اس اقتباس میں قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کو یہ مفید مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی متاع عزیز یعنی اسلامی ورثے کی بحالی اور برقراری کے لیے ڈٹ کر کام کریں اور سستی سے بچیں۔ کیا آپ کے یہ بصیرت افروز الفاظ اسلامی نظریۂ حیات کے مظہر نہیں ہیں؟ آپ کی سیاست کو لادین قرار دینے والوں کی اب تو آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ کیا وہ اب بھی "میں نہ مانوں" کی رٹ لگاتے رہیں گے؟ اسلامیانِ ہند کے یہ عظیم سیاستدان، دین و سیاست کی جدائی کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ دین اور سیاست کو الگ الگ قرار دینے والوں کا یہ طرز بیان نہیں ہوتا۔ یورپ نے تو مجبوراً ایسا کیا تھا کیونکہ ان کے مذہب میں سیاسی معاملات کے نظم و نسق کا جامع تصور نہیں تھا جیسا کہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دیں
کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

(10) قرآن نے عزم بالجزم کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے: "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" (سورہ آل عمران، آیت 159) (پس جب تو پکا ارادہ کرے تو پھر اللہ پر بھروسا کر)۔ قائد اعظمؒ کی تقاریر اور بیانات میں ہمیں کئی مقامات پر عزمِ

راسخ اور توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ہے۔ آپ نے اس ضمن میں اکتوبر 1937ء میں مسلم لیگ کے لکھنو اجلاس کے موقع پر اپنے صدارتی خطاب میں یہ خیال انگیز الفاظ کہے تھے:-

"Think hundred times before you take decision, but once a decision is taken, stand by it as one man".

(11) اس اقتباس میں آپ نے ہمیں یہ کتنا مدبرانہ تصور دیا ہے کہ ہم مستقبل کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی پوشیدہ خوبیوں، اپنی قدرتی صلاحیتوں اور اپنے اندرونی استحکام سے کام لیں۔ یہ اپنی مخفی صلاحیتوں اور اندرونی استحکام کا ذکر اگر ذکرِ خودی نہیں تو اور کیا ہے؟ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی خودی کی پہچان، اس کی نشوونما اور استحکام کا درس دیتے ہوئے کہا ہے ؎

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

؎ زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں

خداتعالیٰ نے انسان کی خودی کی صحیح تربیت اور اس کی فلاح وطہارت کے لیے اپنے پاک برگزیدہ بندوں یعنی انبیائے کرامؑ کی وساطت سے خدائی نظامِ حیات دیا تھا۔ انفرادی خودی کی پاکیزہ تربیت و اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی اور قومی خودی کی اصلاح بھی مقصود تھی تاکہ انسان وحیٔ خداوندی کی روشنی میں مثالی معاشرت وسیاست قائم کردیں۔ انسانی زندگی کو دنیوی راحتوں اور اخروی نجات کا حامل بنانے کے لیے پہلے انسانوں کے اذہان وقلوب کی پاکیزگی لازم تھی۔ بانیٔ

پاکستان نے اس اسلامی فکر کی عکاسی کرتے ہوئے بجا طور پر مسلمانوں کو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کی صحیح نشوونما کا درس دیا ہے۔

V

قائداعظمؒ کا تصورِ آئین ومملکت

''ہندوستان میں ایک وفاقی، متحدہ اور جمہوری ریاست کا نظریہ غلط ہے۔ اس قسم کی ریاست، مسلم اقلیت کو ہمیشہ کے لیے ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر ڈال دے گی۔''

(بمبئی میں فارن پریس سے انٹرویو 24 ستمبر 1943ء)

''ہم کسی طرح بھی آل انڈیا نوعیت کا حامل آئین نہیں چاہتے جس کی رو سے مرکز میں ایک حکومت ہو۔ ہم ہرگز اس طرح کے آئین کو قبول نہیں کریں گے۔۔۔ اگر ایک بار ہم نے اسے تسلیم کر لیا تو پھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مکمل طور پر مٹا دیا جائے گا۔ مسلمانانِ ہند کبھی آل انڈیا آئین اور ایک مرکزی حکومت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کریں گے۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے مدراس سیشن میں صدارتی تقریر، اپریل 1941ء)

''برطانوی حکومت صرف ہندوؤں کے مشورے سے تشکیل پانے والے آئین کو ہمارے سر تھوپ کر سخت حماقت کرے گی۔''

(مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ میں تقریر، 2 نومبر 1941ء)

مندرجہ بالا اقتباسات میں قائداعظمؒ نے مملکت کی تشکیل کی نوعیت اور اس کے لیے وضع ہونے والے آئین (constitution) کے بارے میں اپنے بنیادی تصورات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے متعلقہ دلائل کی روح یہ تھی کہ وہ ہندو غلبہ اور ہندو اکثریت کے حامل کسی بھی دستوری ڈھانچے کو ہرگز قبول کرنے کے حق میں

نہیں۔ اس طرح اسلامیانِ ہند ہمیشہ کے لیے ہندو غلبہ کے تحت آ کر اپنے اسلامی تشخص اور اپنی مسلم قومیت سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور ان کے غلام بن کر رہ جاتے۔
اب ذرا قائدؒ کے ان اسلامی تصورات کے عناصرِ ترکیبی کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

وفاقی ریاست

اس طرح کی مملکت میں جملہ حکومتی اختیارات کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ وحدتیں (units) آپس میں باہمی تعاون کے اصول کے مطابق کام کرتی ہیں پھر بھی وہ ایک مرکز سے متعلق اور مربوط رہتی ہیں۔ اقتدارِ اعلیٰ مرکز کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ وفاقی طرزِ حکومت (Federal System of Government) مسلمانانِ ہند کے لیے اس لیے موزوں اور مفید نہیں تھا کیونکہ اقتدارِ اعلیٰ مرکز کے ہاتھوں میں رہتا جس میں اکثریت ہندوؤں ہی کی ہوتی اور وہ اقلیتوں پر اپنا غلبہ ہمیشہ قائم رکھتے۔ اس طرح اسلامیانِ ہند ہمیشہ ان کی مرضی کے محتاج رہتے۔ اسلام اپنے غلبہ ونفاذ کے لیے ایسے نظام کو کیسے قبول کر سکتا ہے جس میں باطل کو حق پر غلبہ حاصل ہو۔ قائدِ اعظمؒ ہمیشہ ایسے باطل دستور کی مخالفت کر کے اس اسلامی فکر کی ترجمانی کے خواہاں تھے جس میں حق غالب رہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

مرکزی آئین

اس نوعیت کے آئین کے مطابق حکومت کے انتظام کے جملہ اختیارات

مرکز ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔ ملک میں رہنے والی اقلیتوں (minorities) کو ہمیشہ اکثریت رکھنے والی قوم یا جماعت کے رحم وکرم پر ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ حکومت بھی غیر منقسم انڈیا میں مسلمانوں کی ثقافت، مذہب اور سیاست و معاشرت وغیرہ کے لیے موزوں نہیں تھا۔ اس لیے بانیٔ پاکستان نے اس دستور کے پوشیدہ تباہ کن خطرات کو بھانپتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

دوقومی نظریہ

عام ہندو خصوصاً ان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت آل انڈیا نیشنل کانگریس ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی قوم قرار دیتے تھے جبکہ قائد اعظمؒ اس نظریے کے زبردست مخالف تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے ثقافتی، تہذیبی، تاریخی اور مذہبی لحاظ سے مختلف خیال کرتے ہوئے بار بار اس امر کو بیان کیا تھا کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ، جداگانہ اور منفرد قوم ہیں، اس لیے ہم اپنی علیحدہ مملکت بنا کر وہاں اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار کے مطابق زندگیاں بسر کرنے کے خواہش مند ہیں۔ کانگریس پارٹی کی متعصبانہ اور غیر مصالحانہ روش اور تنگ نظر ہندو ذہنیت نے ہندو مسلم اتحاد کی جب تمام راہیں مسدود کر دیں تو اسلامیانِ ہند قدرتی طور پر ان کے ساتھ پر امن زندگی بسر کرنے سے ناامید ہو گئے۔ اس ضمن میں قائد اعظمؒ کے صرف دو اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا:-

''کانگریس نے فاشزم کے انداز میں ہندو مسلم سمجھوتے کی ہر امید کو خاک میں ملا دیا ہے۔ کانگریس ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت کی خواہاں نہیں...... کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر ملک کی دیگر تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو ختم کر کے ہندو راج قائم کرنے کا عزم بالجزم کیے

ہوئے ہیں......"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں صدارتی خطاب' 26۔ 29 دسمبر 1938ء)

مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ قوم قرار دیتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ اس کی یوں وضاحت کی:-

"انڈیا نہ تو ایک قوم ہے اور نہ ہی یہ ایک ملک ہے۔ انڈیا کئی قوموں پر مشتمل ایک برصغیر ہے جس کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان ہیں۔"

(ایم۔ کے۔ گاندھی کے نام خط، 1 جنوری 1940ء)

آپ نے ہندو رہنماؤں کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں۔ بانیٔ پاکستان نے ان کے اس تصور کی تردید کرتے ہوئے یہ تاریخ ساز الفاظ کہے:-

"ہم کسی طرح بھی اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنی تقدیر کے خود مالک ہونے کی حیثیت سے ایک مضبوط اور جداگانہ قوم ہیں۔"

(مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ میں تقریر' 7 مارچ 1940ء)

ہندوؤں کے علاوہ برطانوی حکومت بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کی حامی تھی۔ قائداعظمؒ نے جرأتِ ایمانی اور مومنانہ فراست کا ثبوت دیتے ہوئے اسے بھی بتایا کہ ہم الگ قومیت کے حامل ہیں' اس لیے ہم برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی رضامندی اور منظوری کے بغیر نہ تو کوئی دستور بنائے اور نہ ہی کوئی سمجھوتہ کرے"۔

(ایضاً' 6 مارچ 1940ء)

جمہوری آئین

موجودہ زمانے میں جمہوری مملکتوں کا ہمیں جو نقش نظر آتا ہے' اس کا ماضی

اس سے مختلف تھا۔ قدیم یونان میں مروّج جمہوریت چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں پر مشتمل تھی جن کا رقبہ اور آبادی کا تناسب تھوڑا تھا' اس لیے عام لوگ براہ راست ان کے انتظامی امور میں شرکت کر سکتے تھے۔ اس براہ راست جمہوری نظام کی نمایاں جھلکیاں ہمیں افلاطون کے شہرۂ آفاق مکالمات میں نظر آتی ہیں۔ موجودہ دور میں کثرتِ آبادی اور وسعتِ رقبہ کی وجہ سے ہر فردِ مملکت کا براہ راست جمہوریت (direct democracy) میں حصہ لینا مشکل ہے' اس لیے وہ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے بالواسطہ جمہوریت (indirect democracy) میں شرکت کرتے ہیں۔ جمہوریت کے مغربی تصور کی اساس کثرتِ تعداد پر ہے یعنی کسی بات کو فیصلہ کن اور صحیح قرار دینے کے لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ زیادہ لوگ اس کے حق میں ہوں۔ گویا اس نقطۂ نظر سے اکثریت کی رائے (majority view) کو اقلیت کی رائے (minority view) پر ترجیح دے کر اس بات کو درست تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے برعکس اسلامی معیار حق و باطل ہے نہ کہ کثرت و قلتِ رائے۔ مغربی جمہوریت کا معیارِ حق و باطل رائے کی کثرت اور قلت ہے مگر اسلامی جمہوریت کی کسوٹی حق اور باطل کا امتیاز ہے۔ دونوں میں دوسرا اختلاف تشکیلِ حکومت کی نوعیت پر ہے۔ مغربی جمہوریت عوام الناس کی حکومت کی علمبردار ہے یعنی وہ حاکمیتِ اعلیٰ کا حق عوام کو سونپتی ہے۔ اس کے علی الرغم اسلامی اور شورائی جمہوریت خدا تعالیٰ کو اپنا حاکمِ اعلیٰ قرار دیتی ہے' اس لیے یہ عوام کے بنائے ہوئے آئین کی بجائے خدا کے نظامِ زندگی اور ضابطۂ ہدایت کے نفاذ کی حامی ہے۔ یہ خدائی ضابطہ اور دستور عوام الناس کی ہدایت، فلاحِ عامہ اور عالمی امن کے قیام کا ضامن بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کے چلانے کے لیے انسان ہی درکار

ہوتے ہیں مگر اس کا معیارِ انتخاب تقویٰ، صلاحیت، اخلاقِ حسنہ اور دیگر خوبیوں کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مثالی نظام کی رو سے دین و دنیا، جمال وجلال اور مذہب و سیاست میں حسین، مفید، تعمیری اور انسانیت ساز امتزاج پیدا کیا جاتا ہے۔ اس میں ''لوٹوٹ اور دو ووٹ'' والا اصول اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

قائدِ اعظمؒ نے مندرجہ بالا اسلامی فکر پر مبنی جمہوریت کی حمایت کی ہے اور مغربی جمہوریت کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل غیر منقسم انڈیا میں جس جمہوریت کا راگ ہندو رہنما اور انگریز الاپ رہے تھے وہ قائدِ اعظمؒ کو کسی طرح بھی منظور نہیں تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نظام کا سہارا لے کر ہندو رہنما مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے ہندو راج کے قیام اور نفاذ کے زبردست خواہش مند تھے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے اسلامیانِ ہند کے اس نادر، مقبول، حق گو، بے باک اور اسلامی فکر کے حامی سیاستدان کے درج ذیل الفاظ کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ آپ نے اپنے نظریۂ جمہوریت کے چند گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

''دو سال ہوئے ہیں میں نے شملہ میں کہا تھا کہ حکومت کرنے کا جمہوری اور پارلیمانی نظام انڈیا کے لیے غیر موزوں ہے۔ کانگریس نے مجھے ہر جگہ ہدفِ ملامت بنایا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں اسلام کا خادم نہیں ہوں کیونکہ اسلام تو جمہوریت کا قائل ہے۔ جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے یہ اس قسم کی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جس کے تحت غیر مسلموں کی اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی اجازت ہو۔ ہم اس نظامِ حکومت کو قبول نہیں کریں گے جس کے تحت غیر مسلموں کی اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی اجازت ہو۔ ہم اس

نظامِ حکومت کو قبول نہیں کر سکتے جس میں غیر مسلم صرف عددی کثرت کی وجہ سے ہم پر حکومت کریں اور ہمیں مغلوب بنالیں"۔

(ایضاً 6مارچ 1940ء)

"مغرب کے مختلف ملکوں میں بھی جمہوریت کے مختلف نمونے موجود ہیں.... میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انڈیا کے حالات مغربی مما لک سے مکمل طور پر مختلف ہیں اس لیے اس کے لیے برطانیہ کا یک جماعتی طرزِ حکومت اور نام نہاد جمہوریت بالکل موزوں نہیں ہیں۔"

(ایضاً 6مارچ 1940ء)

"مسلم انڈیا کسی ایسے آئین کو تسلیم نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ ہندوؤں کی اکثریت پر مبنی حکومت ہو۔ اقلیتوں پر زبردستی ٹھونسے گئے جمہوری نظام کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کا مطلب ہندوراج ہی ہو سکتا ہے۔ جس قسم کی جمہوریت پر کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر فریفتہ ہیں' اس کا مطلب اسلام کی سب سے گراں بہا متاع کی مکمل تباہی ہوگا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں صدارتی خطبہ'23مارچ 1940ء)

"ہم انڈیا کے شمال مغرب اور مشرقی علاقوں میں مکمل طور پر آزاد ریاستوں کے قیام کے خواہاں ہیں۔۔۔۔ہم کسی طرح بھی آل انڈیا نوعیت کا حامل آئین نہیں چاہتے جس کی رو سے مرکز میں ایک ہی حکومت ہو۔ ہم کبھی اس قسم کے آئین کو قبول نہیں کریں گے۔ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ اگر ایک بار ہم نے اسے مان لیا تو پھر یہاں سے کلیتۂ مسلمانوں کا وجود مٹا دیا جائے گا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے مدراس اجلاس میں صدارتی تقریر'اپریل 1941ء)

اس محسنِ اسلامیانِ پاک و ہند نے کانگریس پارٹی کے رہنماؤں کے

تصورِ آئین و مملکت کے ردّ میں جو مسکت اور معقول دلائل دیے ہیں، وہ ہم سب کے لیے بالعموم اور انڈیا میں مقیم مسلمانوں کے لیے بالخصوص دعوتِ فکر کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی دستورِ زندگی باطل پرستوں کی حکومت میں فروغ پائے اور اپنے وجود کو برقرار رکھے؟ آج کل انڈین قومیت کے حامی اپنے مسلمان شہریوں کے ساتھ آئے دن جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی ہوش ربا اور افسوسناک داستان سے سب اہلِ نظر بخوبی آگاہ ہیں۔ 2002ء میں پیش آنے والے سانحۂ گجرات میں ان کی جان، آبرو اور املاک کی حفاظت کا کوئی اطمینان بخش انتظام نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کشمیر میں بھی مسلمانوں کو مختلف خونچکاں واقعات پیش آ رہے ہیں۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو ہمارا بھی یہی حشر ہوتا۔ ان حالات کو دیکھ کر ہمیں قائد اعظمؒ کے ان فرمودات کی صداقت کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اسلامی جمہوریت

قائد اعظمؒ کی تقاریر اور آپ کے بیانات کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل آپ نے ہندوؤں اور انگریزی حکومت کے تصورِ جمہوریت کو ہمیشہ ہدفِ تنقید بنایا اور اسے اسلامیانِ ہند کی مستقل غلامی، اسلامی فروغ کے لیے رکاوٹ، سیاسی اور معاشرتی حقوق کی پامالی، اسلامی ثقافت کی بربادی اور مسلم قومیت کے تصور کی نفی قرار دیا تھا۔ آپ نے ان دونوں گروہوں کے مجوزہ پارلیمانی، وحدانی اور وفاقی طرزِ حکومت اور آئین کو بھی مسلمانانِ ہند کے لیے غیر موزوں اور نقصان دہ خیال کر کے ردّ کر دیا تھا۔ آپ کی رائے میں اس تنقید اور تردید کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عددی اکثریت کے بل پر ہندو رہنما مذکورہ بالا اندازِ حکمرانی اور نظام ہائے سیاست کو ہندو راج کے قیام اور مسلمانوں کی محکومیت

کے لیے استعمال کرنے کے زبردست خواہش مند تھے۔ کانگریس کے بڑے بڑے رہنما اور برطانوی حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتے تھے' اس لیے وہ انڈیا میں متحدہ قومیت کے نظریے پر مبنی سیاسی نظام کی جمہوری شکل پر زور دیتے تھے۔ بانی پاکستان متحدہ انڈین قومیت کی بجائے مسلمانوں کے جداگانہ اسلامی اور سیاسی تشخص کی حفاظت کے لیے مسلم تصورِ قوم کے علمبردار تھے۔ اس لیے وہ ان کے موقف کے مخالف و ناقد تھے۔ اس پس منظر کی روشنی میں قائداعظمؒ کے درج ذیل اقتباسات کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ آپ کے اسلامی تصورِ جمہوریت کے بھی مختلف پہلو سامنے آ سکیں:-

''ممکن ہے سروں کا شمار کرنا بہت اچھی چیز ہو لیکن یہ قوموں کی آخری ثالث نہیں ہے۔ آپ کو بھی اپنے اندر قومی خودی اور قومی انفرادیت کو پروان چڑھانا ہے۔ یہ ایک عظیم کام ہے۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں صدارتی خطبہ' 26۔ 29 دسمبر 1938ء)

''ہندوستان میں ایک جمہوری پارلیمانی حکومت قائم کرنا ناممکن ہے ...... یہاں ایک مستقل فرقہ پرست اکثریت کی حامل حکومت اقلیتی جماعتوں پر حکمرانی کرتی رہی ہے ...... اس لیے میری رائے میں ...... جمہوریت کا مطلب ہندوستان پر صرف ہندو راج ہو سکتا ہے۔ مسلمان اس حالت کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔''

(انڈیا میں جمہوریت کے مسئلہ پر بیان' یکم اکتوبر 1939ء)

''انگلستان میں مشترک النسل قوم کے تصور پر مبنی جمہوری نظامات، ہندوستان جیسے مختلف النسل ممالک کے لیے ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ یہی سادہ حقیقت

انڈیا کی تمام آئینی بیماریوں کی جڑ ہے...... جمہوریت کا سارا نظریہ ایک واحد قوم کے وجود کو فرض کر لیتا ہے"۔

(ٹائم اینڈ ٹائڈ' آف لندن کے لئے مقالہ' 19 جنوری 1940ء)

"برطانیہ کے لوگوں کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ ہندو دھرم اور اسلام دو مختلف اور جداگانہ تہذیبوں کے آئینہ دار ہیں۔ مزید برآں اپنی حقیقی روایات اور طرز زندگی کے باعث وہ ایک دوسرے سے اس طرح ممیز ہیں جیسا کہ یورپ کی قومیں ممیز ہیں۔ ہندوستان کے حالات کے مطابق مغربی طرز کی جمہوریت کو ضروری شرائط اور حدود کا لحاظ رکھے بغیر ہندوستان پر ٹھونسنے کی برطانوی حکومت کی حکمتِ عملی مسلمانوں کی نظر میں قابلِ اعتراض ہے۔"

(ایضاً' 19 جنوری 1940ء)

"اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ ہندوستان میں ایک بڑی اور ایک چھوٹی قوم ہے تو پھر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اکثریت کے اصول پر مبنی پارلیمانی نظام سے لازمی طور پر مراد بڑی قوم کی حکمرانی ہے...... مغربی جمہوریت ہندوستان کے لیے مکمل طور پر موزوں نہیں۔ ہندوستان پر اسے زبردستی لاگو کرنا سیاست کے جسد کے لیے بیماری ہے...... تمام حکومتیں خواہ وہ مرکزی ہوں یا صوبائی، ایسی ہونی چاہئیں جو باشندوں کے تمام طبقوں کی ترجمان ہوں"۔

(ایضاً' 19 جنوری 1940ء)

"دو سال ہوئے میں نے شملہ میں کہا تھا کہ حکومت کا جمہوری اور پارلیمانی نظام انڈیا کے لیے موزوں نہیں ہے۔ کانگریس نے مجھے ہر جگہ ہدف ملامت بنایا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں اسلام کا خادم نہیں کیونکہ اسلام تو جمہوریت کا قائل ہے۔ جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے' یہ اس قسم کی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا

جس کے تحت غیر مسلموں کی اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی اجازت ہو۔ ہم اس نظامِ حکومت کو قبول نہیں کر سکتے جس میں غیر مسلم صرف عددی اکثریت کی بنا پر حکومت کریں اور ہمیں مغلوب بنالیں۔"

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر' 6مارچ 1940ء)

"مغرب کے مختلف ملکوں میں جمہوریت کے مختلف نمونے موجود ہیں..... ہندوستان کے حالات مغربی ممالک سے کلیتہً مختلف ہیں' اس کے لیے برطانیہ کا ایک جماعتی طرزِ حکومت اور نام نہاد جمہوریت بالکل مناسب نہیں ہیں"۔

(ایضاً' 6مارچ 1940ء)

"مسلم انڈیا کسی ایسے آئین کو تسلیم نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ ہندوؤں کی اکثریت پر مبنی حکومت ہو۔ اقلیتوں پر زبردستی ٹھونسے گئے جمہوری نظام کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کا مطلب ہندوراج ہی ہو سکتا ہے۔ جس قسم کی جمہوریت پر کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر فریفتہ ہیں' اس کا مطلب اسلام کی سب سے گراں بہا متاع کی مکمل تباہی ہوگا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں صدارتی خطبہ' 23مارچ 1940ء)

"ہندوستان میں اب تک برطانوی حکمتِ عملی دو ستونوں پر مبنی رہی ہے یعنی اوّل انڈیا کو ایک یونٹ تصور کرنا اور ثانیاً مغربی طرز کا جمہوری نظام انڈین آئین کی اساس ہونا۔"

(مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ میں تقریر' 10مارچ 1941ء)

"ہم میں سے زیادہ تر لوگ پاکستان کو عوام کی حکومت تصور کرتے ہیں..... جمہوریت ہمارے خون میں ہے۔ یہ تو ہماری ہڈیوں کے گودے میں

ہے....پاکستان میں عوام کی حکومت ہوگی۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب' 24 اپریل 1943ء)

''جب آپ جمہوریت کا تذکرہ کرتے ہیں تو آپ کا مطلب ہندوراج ہوتا ہے اور آپ مسلمانوں پر غلبہ پانا چاہتے ہیں جو مختلف قوم ہونے کی حیثیت سے آپ سے مختلف ثقافت کے مالک ہیں...... آپ بذاتِ خود ہندو قومیت اور ہندوراج کے لیے کام کر رہے ہیں...... ہم نے تیرہ سو سال قبل جمہوریت سیکھی تھی' اس لیے یہ ہمارے خون میں رچی ہوئی ہے..... آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم جمہوریت پسند نہیں ہیں۔ یہ صرف ہم ہی ہیں جنہوں نے انسانی مساوات اور انسانی اخوت کا سبق سیکھا ہے۔ آپ میں، آپ کی ایک ذات دوسری ذات والے سے پانی کا پیالہ نہیں لے گی۔ کیا یہ جمہوریت ہے؟ کیا اسے جمہوریت کہتے ہیں؟ کیا یہ دیانت داری ہے؟

(ایضاً' 24 اپریل 1943ء)

بانئ پاکستان کی رائے میں مغربی طرز کا نظامِ سیاست خواہ وہ کسی شکل میں ہو' اپنے مخصوص نظریۂ قومیت کی وجہ سے اسلامیانِ ہند کے لیے ہرگز مفید اور قابلِ قبول نہیں تھا۔ جمہوریت چونکہ تعداد کی کثرت کو اقلیتی گروہ پر ترجیح دیتی ہے' اس لیے لازماً اکثریت کو حقِ حکمرانی مل جاتا ہے۔ اس کا معیار خیر و شر، حق و باطل کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ یہ کثرتِ رائے اور قلتِ رائے کے اصول کو اپناتی ہے۔ اس نظامِ سیاست میں سروں اور ہاتھوں کی گنتی کے مطابق کسی بات کا فیصلہ ہوتا ہے اور حق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو طنز کے انداز میں بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا ۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

قائد اعظمؒ چونکہ اسلام کو ہندوراج اور غلبہ کے تحت رکھنے کے شدید مخالف تھے اس لیے آپ نے ہر اس نظریے اور نظامِ سیاست کو رد کردیا تھا جو اس کے لیے راہ ہموار کرتا تھا۔قرآن حکیم نے ہر باطل اور گمراہ کن طرزِ حکومت کو ظلم اور فسق کا حامی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:۔

''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ''(سورہ المائدہ، آیت 45)(اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہ ظالم ہیں)۔

ایسے غیر اسلامی نظامِ معاشرت وسیاست کے خلاف قائد اعظمؒ کا یہ نظریہ اسلامی فکر کا ترجمان ہے۔

جمہوری نظریہ سیاست کی رو سے ایک علاقے میں رہنے والے تمام لوگ اور ساری قومیں ایک ہی قومیت سے متعلق ہوتی ہیں۔اس کے برعکس اسلام لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ یعنی توحید و رسالت میں پختہ یقین رکھنے والوں کو ملتِ اسلامیہ قرار دیتا ہے۔اس لحاظ سے اسلامی قومیت، رنگ، نسل، زبان، قبیلہ اور جغرافیائی حدود کی تفریق سے خالی ہے۔ ہندو رہنما اور انگریز حاکم اشتراکِ وطن کی بنیاد پر مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک قوم خیال کرتے تھے۔اسلامی فکر کا حامل ہونے کی حیثیت سے محمد علی جناحؒ اس تصور کو رد کرتے تھے۔اسی نظریہ قومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے متحدہ انڈین قومیت سے ہم آہنگ جمہوریت کی مخالفت کی تھی۔

بانیٔ پاکستان نے متعدد مواقع پر دیے گئے بیانات میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم نہیں ہیں کیونکہ یہ دو مختلف اور متضاد تہذیبی، تاریخی، ثقافتی، مذہبی اور معاشرتی اقدار اور عقائد کی نمائندہ ہیں۔ ایک خدا

کو ماننے والے، انسانی اخوت و مساوات کے علمبردار مسلمان اور کئی خداؤں کو تسلیم کرنے اور مختلف ذاتوں اور طبقوں میں تقسیم ہونے والے ہندو کیسے ایک قوم کہلا سکتے ہیں؟ وطن کی جائز محبت اور وطن کو بت بنا کر اس کی پوجا کرنے میں جو نازک فرق ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ صدیوں تک مسلمان ہندوستان میں حکومت کرتے رہے مگر انہوں نے ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر مسلمان روادار نہ ہوتے تو آج ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہ ہوتا۔ اس کے برعکس ہندوستان کی آزادی کے حصول سے پہلے ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہندو راج کے تحت لانے اور ان کی مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو مٹانے کے لیے پروگرام بنا لیا تھا جس کی قائداعظمؒ نے ڈٹ کر مخالفت کی اور انگریزوں اور ہندوؤں پر واضح کر دیا کہ وہ کسی طرح بھی ہندوؤں کی فرقہ پرست اور تنگ نظر جماعت کانگریس کی پالیسیوں کے ہم نوا نہیں بن سکیں گے۔

قائداعظمؒ انڈین مشترکہ قومیت کی حامل مغربی طرز کی جمہوریت کے مخالف ضرور تھے مگر وہ صحیح قسم کی جمہوریت کے قائل تھے جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہے۔ ان کی رائے میں ضروری شرائط اور حدود کے اندر رہنے والی جمہوریت مسلمانوں کے حقوق کی محافظ ہو سکتی ہے نہ کہ وہ جمہوریت جس کو ہندو اور انگریز ہندوستان میں نافذ کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ ان کی جمہوریت کا لازمی نتیجہ اسلامیانِ ہند کی دائمی غلامی اور اسلامی ورثے کی بربادی کی شکل میں نکلتا۔ یہ چیز بانیٔ پاکستان کو کسی طرح بھی گوارا نہیں تھی۔ آج کشمیر اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں ہندو سامراج جو انسانیت سوز کھیل، کھیل رہا ہے وہ پوری دنیا میں بے نقاب ہو چکا ہے۔ کاغذ کی ناؤ کی طرح، ظلم اور وحشت انگیزی پر مبنی نظامِ سیاست بھی زیادہ دیر

تک قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ یہی قانونِ فطرت ہے بقول اقبالؒ ۔

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

قائداعظمؒ کے ان الفاظ سے کسی بھی انسانیت دوست اور باشعور انسان کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک کا سیاسی نظام اس ملک میں رہنے والے لوگوں کی خواہشات اور توقعات کا ترجمان ہونا چاہیے۔ایک قوم کو مطلق العنان بنا دینا اور وہاں کی دوسری قوموں کو محکوم بنا کر رکھ دینا اور انہیں قانونی مساوات سے بھی محروم کر دینا غلط اور فساد انگیز ہوتا ہے۔انگریز حاکموں کے ساتھ مل کر ہندو رہنما اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ عددی اکثریت کی وجہ سے وہ برسرِ اقتدار آ جائیں اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مختلف سیاسی اور آئینی حربے استعمال کرنا شروع کر دیے تھے۔اگر آئین سازی میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا اور اس میں مسلمانوں کی آزادانہ رائے اور مشورے کو بھی اہمیت دی جاتی تو شاید یہ سیاسی کشمکش اتنی شدت اختیار نہ کرتی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے آئین (constitution) اسلامی نظریۂ حیات،فروغِ اسلام اور غلبۂ دین کے مقاصد کا مؤثر اور عملی ذریعہ ہے۔یہ مقصد بالذات (end in itself) نہیں ہے بلکہ یہ مملکت کے تمام باشندوں کے بنیادی حقوق،انسانیت کا محافظ،فلاحِ عامہ کا ضامن اور پرامن بقائے باہمی کے اصول کا آئینہ دار ہے۔جمہوریت کو بھی اسی معیار پر پرکھنا ہوگا۔اسلام ہرگز اس سیاسی،معاشی،معاشرتی،اقتصادی اور مذہبی نظام کو پسند نہیں کرتا جس میں مسلمان مغلوب اور غلام بن کر رہ جائیں۔ایسی جمہوریت سے بانیٔ پاکستان کو کوئی دلچسپی

نہیں تھی جو اسلامی تصورِ حیات کی پسپائی اور مسلمانوں کی محکومیت کا باعث بن سکتی تھی۔ اسلام کے سیاسی نظام کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:-

☆ اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت ☆ احترامِ انسانیت

☆ انسانی حقوق کی حفاظت اور ضمانت ☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

☆ عدل وانصاف ☆ امن وامان

☆ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اور مذہبی آزادی

☆ مذہبی دل آزاری کی روک تھام

☆ عالمگیر برادری خصوصاً ہمسایہ ممالک کے ساتھ عدل، امن اور انسانی محبت پر مبنی سلوک وغیرہ۔

قائداعظمؒ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ اسلامی جمہوریت مسلمانوں کے خون میں شامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد باہمی مشاورت، خلوصِ نیت، قانون کی درست اطاعت اور عوامی فلاح و بہبود پر ہے۔ زکوٰۃ کا اقتصادی نظام نہ تو سربراہِ مملکت کی ملکیت ہے اور نہ ہی کسی خاص گروہ کی بلکہ یہ سب شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ اس کے وضع کردہ نظامِ سیاست میں ایک عام شہری کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ وہ خلیفۂ مملکت سے بلا جھجک کوئی سوال کرے اور وضاحت طلب کرے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ اس طرح جب پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو آپؓ نے اپنے اولین عوامی خطاب میں یہ خیال افروز الفاظ کہے تھے: "ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ له بحقه وان اضعفکم عندی حتی احذ منه الحق (بے شک تمہارے طاقتور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں جب تک کہ میں ان سے واجب حق لے لوں اور

تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہیں جب تک میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلاؤں)۔ عام طور پر عوام کی اپنی حکومت میں ان کے حقوق محفوظ ہوتے ہیں۔ آمریت، فاشزم، ملوکیت اور مطلق العنانیت میں ان کے حقوق کا تحفظ یا تو ناممکن ہوتا ہے یا بے حد مشکل۔

اسلام کے نظریۂ حکومت کے مطابق حکومت ایک قسم کی امانت ہے۔ سربراہِ مملکت اس امانت کا محافظ اور اسلامی نظام کے نفاذ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ رعایا کے حقوق کی حفاظت اس کی اہم ذمہ داری ہے۔ اسے اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ رعایا کی جان، مال اور آبرو کو خود پامال کرے یا کسی اور کو اس کی کھلی چھٹی دے۔ دستورِ مملکت کی اساس قرآن وحدیث اور سنت ہوتی ہے۔ نئے نئے مسائل کے حل کے لیے ان دونوں کے علاوہ اجتہاد، قیاس اور دیگر قانونی ذرائع سے کام لیا جا سکے گا بشرطیکہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں۔ یہ حکومت عوام کی خدمت اور فلاح کے لیے ہوگی اور اسے قائم بھی عوام کی تائید ورضامندی سے منتخب نمائندے کر سکیں گے۔ عوامی حکومت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآن وسنت کو چھوڑ کر مغربی طرزِ حکومت کو اختیار کیا جائے۔ قائداعظمؒ کے اقتباس سے بھی یہی امر واضح ہوتا ہے کہ یہ اسلامی فلاحی مملکت ہوگی اور اس کو چلانے والے عوام کے سچے اور دیانتدار خادم ہوں گے۔

قیامِ پاکستان سے ایک ماہ قبل 14 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں منعقد ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں آپ سے مملکتِ پاکستان کے آئین کے بارے میں ایک سوال پوچھا گیا تھا۔ آپ کا جواب آپ ہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے:-

Q. "Will Pakistan be a Secular or Theocratic State?

Mr. M. A. Jinnah : You are asking me a question that is absurd. I do not know what a Theocratic State means."

A correspondent suggested that a Theocratic State meant a State where only people of a particular religion, for example, Muslims, would be full citizens and Non-Mulsims would not be full citizens. Mr. M. A. Jinnah: "Then it seems to me that what I have already said is like throwing water on duck's back (laughter). When you talk of democracy, I am afraid you have not studied Islam. We learned democracy thirteen centuries ago."

(Press Conference in New Delhi, July 14, 1947) See: Speeches and Statements of the Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah by Dr. M. Rafique Afzal, p. 30)

اسلامی عدل و مساوات

"اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم باقی انسانوں سے مساوی سلوک کریں۔ پاکستان میں ہندوؤں اور دوسری جماعتوں کے ساتھ عادلانہ اور مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔"

(ایم۔ کے۔ گاندھی کے "ڈان" میں شائع شدہ مقالہ کے جواب میں بیان' 11 مارچ 1942ء)

اسلام تمام انسانوں کو قانونی، معاشرتی اور معاشی مساوات دینے اور ان کے ساتھ عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی مملکت کے غیر مسلم باشندے اسلامی قانون کی نظر میں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلم ملک اپنے قانون پسند اور پرُ امن غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کرتا تو وہ اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ تمام رعایا کے بنیادی حقوق کی

حفاظت کرے اور ان کے ساتھ عادلانہ اور مساویانہ برتاؤ کرے۔

قائد اعظمؒ کے بیانات، پیغامات، انٹرویو اور ان کی تقاریر کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کسی سیکولر، آمرانہ یا تھیا کریسی (ملائی) نظامِ سیاست کے حامی نہیں تھے بلکہ آپ اسلامی جمہوریت پر مبنی فلاحی طرزِ حکومت کے علمبردار تھے۔ اسلام دنیا و دین کی حسنات، فرد و جماعت کی تعمیر و ترقی اور پر امن بقائے باہمی اور عالمگیر انسانی اقدارِ حیات کا توازن بدوش دستورِ حیات ہے۔ یہ آئین جامد نہیں کیونکہ اس میں ہر دور کے انسانی مسائل اور تقاضوں کے حل کے لیے اجتہادی فکر کی وسیع گنجائش ہوتی ہے۔ جمود اور انتہا پسندی کی بجائے اس میں ارتقا اور اعتدال کی صفت اسے دیگر نظام ہائے سیاست سے ممیز کر دیتی ہے۔ اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی ذہن کے تراشیدہ تمام نظامہائے حیات نقائص و معائب، خود غرضی، باہمی چپقلش اور محدودیت سے خالی نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس وحی و الہام پر مبنی حقائق ان تمام عیوب سے مبرّا ہوتے ہیں بشرطیکہ ان میں من مانی تاویلات شامل نہ کی جائیں۔ اس کے ابدی اصولوں کی روشنی میں اجتہادی فکر سے کام لینے پر زور دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ نظامِ سیاست ثبات و تغیر کے حسین اور پائدار امتزاج کا حامل بن گیا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"The ultimate spiritual basis of all life, as conceived by Islam, is eternal and reveals itself in variety and change"

(The Reconstruction of Religious Thought in Islam p. 147)

VI

قائداعظمؒ کا تصورِ پاکستان

فکری انتشار

پاکستان کے قیام کے اسباب اور اس کے مقاصد کے بارے میں مختلف مکاتبِ فکر بڑے ہی مختلف اور بعض اوقات متضاد خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ایک مکتبِ فکر اس کی تشکیل کی اصل وجہ صرف معاشی ترقی وخوشحالی کا حصول قرار دیتا ہے۔ ایک اور گروہ اس کی غرض وغایت کو محض سیاسی آزادی تک محدود کر دیتا ہے جبکہ تیسرا اور زیادہ مقبول مکتبِ فکر اس کے قیام کی بنیادی اور حقیقی وجہ اسلامی آئیڈیالوجی (اسلامی نظریہ) تصور کرتا ہے۔عام لوگ ان تعبیرات کی کثرت اور اختلاف سے انتشارِ فکر ونظر کا شکار ہیں کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ کون سا گروہ بانیٔ پاکستان کے تصور کے مطابق ہے۔چند نام نہاد دانشور قیامِ پاکستان کی تحریک کو ہی غلط قرار دینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔اس فکری ژولیدگی اور ذہنی انتشار کو دور کرنے کے لیے یہ بےحد ضروری ہے کہ قائداعظمؒ کے اپنے اقوال وبیانات ہی سے رجوع کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ نے تشکیلِ پاکستان اور ایک جداگانہ مملکت کی تاسیس کے محرکات، مقاصد اور دیگر متعلقہ پہلوؤں کے بارے میں کن افکار وجذبات کا اظہار کیا ہے اور اپنے موقف کی حمایت میں کن دلائل کا سہارا لیا ہے۔اب "قیامِ پاکستان کی کہانی قائداعظمؒ کی زبانی "یہاں پیش کی جا رہی ہے۔وقت کی قلت کے پیشِ نظر یہاں ان کے بےحد اہم اور بنیادی افکار ہی کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔

قائداعظمؒ کے بیانات

''یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لیے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لیے بھی ہوگی۔''

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ، 5فروری 1938ء)

''ہندوستان کے مسلمان...... آزادی حاصل کر کے اپنی ذہانت و فطانت کے مطابق اپنے سیاسی، سماجی اور ثقافتی اداروں کو ترقی دینے کے خواہش مند ہیں۔وہ یہ نہیں چاہتے کہ دوسرے ان پر غلبہ پا کر انہیں کچل دیں۔''

(انڈیا میں جمہوریت کے مسئلہ کے بارے میں بیان، 11اکتوبر 1939ء)

''اپنی اکثریت کے علاقوں میں مقیم مسلمانوں کو اپنا وطن حاصل کر کے اپنی ذہانت کے مطابق اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو پروان چڑھانے اور اپنی آئندہ تقدیر کی تشکیل کرنے کا موقع حاصل کرنا چاہیے''۔

(قرارداد لاہور کے بارے میں بیان، 1940ء)

''ہندو اور مسلمان دو مختلف فلسفوں، سماجی رسومات اور ادبیات سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ نہ تو آپس میں شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔دراصل وہ دو مختلف تہذیبوں کے حامل ہیں..... قومیت کی کسی بھی تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں۔اس لیے ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہونی چاہیے۔ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ صلح و یگانگت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم کے افراد...... بھرپور انداز میں اپنی روحانی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی زندگی کو پروان چڑھائیں۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاسِ لاہور میں صدارتی خطبہ، 22مارچ 1940ء)

''اس ملک میں ہم آزاد انسانوں کی طرح باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم آزاد اسلام اور آزاد ہندوستان کی حمایت کرتے ہیں۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس بمبئی کے اجلاس کے لیے پیغام 26، 27 مئی 1940ء)

''جب دو بھائی اکٹھے نہ رہ سکیں تو کیا واقع ہوتا ہے؟ اس صورت میں وہ الگ الگ ہو کر خوش ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کی سکیم کے مطابق ہم یہی چاہتے ہیں۔''

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر 2 نومبر 1941ء)

''اس ملک کا ہر ذہین انسان جانتا ہے کہ پاکستان سے ہماری کیا مراد ہے۔ اگر کوئی شرپسند شر پیدا کرنے کا خواہش مند ہے تو اسے خدا ہی روک سکتا ہے۔ میں اسے شر انگیزی سے نہیں روک سکتا...... جب ہم پاکستان کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد قرارداد لاہور ہوتی ہے۔''

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطاب 2 مارچ 1941ء)

''اگر تم اس ملک میں اسلام کو مکمل خاتمے سے بچانے کے خواہاں ہو تو پھر پاکستان نہ صرف ایک قابلِ عمل نصب العین ہے بلکہ صرف یہی واحد نصب العین ہے۔''

(مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ میں تقریر 10 مارچ 1941ء)

''تمہارے ہندو دھرم اور تمہارے فلسفہ کی رو سے اسلام لانے والا ہندو برادری سے خارج ہو کر ملیچھ (اچھوت) بن جاتا ہے اور ہندو اس نومسلم کے ساتھ کسی طرح کا بھی کوئی سماجی، مذہبی اور ثقافتی ربط نہیں رکھتے اس لیے کہ وہ مختلف نظام سے تعلق رکھتا ہے ..... کوئی ایماندار آدمی اس امرِ واقعی سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمان، ہندوؤں سے واضح طور پر علیحدہ قوم کی حیثیت کے حامل ہیں۔''

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں صدارتی خطبہ 2 مارچ 1941ء)

''ہماری مذہبی تعلیم ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ مسلمان حکومت میں ہر غیر مسلم اقلیت کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جانا چاہیے۔''

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جالندھر کے سالانہ اجلاس میں تقریر' 15 نومبر 1942ء)

''ہمارا نعرہ یہ ہونا چاہیے: ایمان، اتحاد اور نظم''

(عیدالفطر کا پیغام، مسلمانانِ ہند کے نام' اکتوبر 1941ء)

''ڈگمگائے بغیر اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے کھڑے رہو۔ پاکستان سے ہی ہماری نجات، دفاع اور تقدیر وابستہ ہے۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ، کراچی کے اجلاس میں صدارتی تقریر' 24 دسمبر 1943ء)

''کانگریس اور ہندوؤں کے لیے پاکستان ایک نفرت انگیز چیز ہے لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے یہ ان کے ایمان کا جزو ہے۔''

(پریس کے لیے بیان، نئی دہلی' 31 اکتوبر 1942ء)

''تین سال قبل پاکستان محض ایک قرارداد تھا مگر آج کل یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایمان کا حصہ اور زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔''

(یومِ قراردادِ پاکستان کے بارے میں دہلی سے جاری کردہ پیغام' 23 مارچ 1943ء)

تشریحات

(1) قائداعظمؒ نے اس اقتباس میں یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ حصولِ پاکستان کے ساتھ جنم لینے والی آزادی کمزور اور مظلوم شہریوں کے لیے بھی ہوگی۔ یہ صرف طاقتور اور بااثر لوگوں کے لیے مختص نہیں ہوگی۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی بڑے سے بڑے انسان حتیٰ کہ انبیائے کرامؑ کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ خدا کے بندوں کو اپنا غلام بنائیں۔ قرآنِ حکیم اس انقلابی اور حریت آموز حکم کا یوں

اعلان کرتا ہے:۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (سورہ آل عمران' آیت 79) کسی بشر کو زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ)۔ اگر خدا سے نبوت، حکومت اور کتابِ الٰہی پانے والے کسی نبی کو یہ اختیار نہیں دیا گیا تو کوئی دوسرا انسان کس طرح انسانوں کو اپنا غلام بنانے کا حق رکھتا ہے؟ کسی فردِ واحد کے علاوہ کسی گروہ کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خدا کی مخلوق کو اپنا محکوم بنائے۔ یہ منصب عالی صرف خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

بانی پاکستان نے اس قرآنی فکر کی روشنی میں بجا کہا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والی آزاد مملکت میں سب شہریوں کو قانونی مساوات اور عدل و انصاف کی بنیاد پر یکساں آزادی حاصل ہوگی۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں عام غریب مسلمانوں کی قربانیاں امرا اور سرمایہ داروں سے بڑھ کر تھیں۔ اس لیے پاکستان کسی خاص گروہ کی میراث نہیں ۔ اسلامی قانون کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں انصاف کیا جائے گا اور کمزوروں، مظلوموں اور غریبوں کے حقوق پامال نہیں ہوں گے۔ کیا ہر انسان پیدائشی طور پر آزاد پیدا نہیں ہوتا؟ طاقتور، با اثر اور استحصال پسند لوگ مختلف مذموم ہتھکنڈے استعمال کر کے انہیں غلام بنانے کے درپے رہتے ہیں مگر خدا نے انہیں آزاد بندہ بنا کر ہی بھیجا ہے۔ اس بارے میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے کیا خوب کہا تھا:۔

مذکم تعبدتم الناس و قد ولدتھم امھاتھم احرارا (تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے)۔

(2) قائد اعظمؒ نے ان الفاظ میں حصول پاکستان کے بنیادی مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے بتا دیا کہ مسلمان ایک جداگانہ اور آزاد مملکت کا کیوں مطالبہ کر رہے تھے۔ ان کی رائے میں اسلامیانِ ہند اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو فروغ دینے اور اپنی تقدیر سازی کے لیے آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اسلام چونکہ زندگی کا مکمل اور جامع نظام ہے اس لیے اس میں سیاست، مذہب، معاشیات، ثقافتی اقدار اور سماجی نکھار وغیرہ شامل ہیں۔ دین اسلام کُل ہے اور باقی شعبہ جاتِ حیات اس کے اجزا ہیں۔ اب اگر کوئی کسی ایک جزو کو قیامِ پاکستان کا اولین مقصد قرار دینے پر اصرار کرے گا تو یہ غلط ہوگا۔ اسلام کو قرآن نے شجرِ طیبہ سے تشبیہ دی ہے۔ گویا باقی اجزا یعنی معاشرت، معیشت، ثقافت اور سیاست اس کی شاخیں ہیں اور اس کی اصل اسلامی نظریۂ حیات و کائنات ہے۔ قرآن نے اس کی تکمیل کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورہ المائدہ، آیت 3) (آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں تمہارے دین اسلام پر راضی ہو گیا ہوں)۔ اس نقطۂ نظر سے قیامِ پاکستان اپنے باسیوں کی زندگیوں کے تمام اہم پہلوؤں کی ترقی اور فروغ کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(3) اس اقتباس میں بھی بانیٔ پاکستان نے حصول پاکستان کو قوم کے سارے افراد کی روحانی، ثقافتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو پروان چڑھانے کی آرزو کا

اعادہ کیا ہے۔ قائد اعظمؒ کے مدنظر مملکتِ پاکستان کے تمام لوگوں کی فلاح وبہبود تھی نہ کہ کسی ایک فرد یا گروہ کی۔ انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی تعاون ومشاورت سے کام لیتے ہوئے محمد علی جناحؒ کے ان واضح اصولوں اور عقائد کی روشنی میں پاکستان کی ہمہ پہلو ترقی، عظمت اور استحکام کے لیے کوشاں ہوں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی نہ تو محض سیاسی امور پر مشتمل ہے اور نہ ہی یہ صرف اقتصادی اور سماجی معاملات تک محدود ہے بلکہ اس میں اخلاقی اور ثقافتی امور بھی ہیں۔ دینِ اسلام اپنی جامعیت کی رو سے ان سب کو آپس میں مربوط اور ہم آہنگ بناتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسلام کو حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں میں دخیل کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے کہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۔" (سورہ البقرہ آیت 208) (اے ایمان والو! تم سب اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ)۔ قائد اعظمؒ نے اسلام کے اس اجمالی حکم کو اس اقتباس میں ذرا پھیلا کر پیش کر دیا ہے۔ وہ سیاست کو اسلام کے تابع رکھنے کے قائل تھے۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ سیکولر ذہن کے آدمی تھے یا وہ دین وسیاست کے امتزاج کے خلاف تھے؟

(4) قائد اعظمؒ یہ چاہتے تھے کہ برصغیر پاک وہند کی تقسیم ہو تا کہ مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا اپنے اپنے اکثریتی علاقوں میں اپنے مذہب اور اپنی تہذیبی وتمدنی روایات کے مطابق زندگی بسر کریں اور اچھے ہمسایوں کی طرح پر امن رہیں۔ نیز وہ اپنے علاقوں کی اقلیت کے حقوق کی نگہداشت کریں اور انہیں امن وآرام سے زندگی بسر کرنے میں مدد دیں۔

جہاں تک مطالبۂ پاکستان کا تعلق ہے، آپ مسلمانوں کے لیے ایک الگ

اور آزاد خطۂ زمین لینے کے قائل تھے جہاں وہ اسلامی، سیاسی، ثقافتی، معاشی اور اخلاقی اقدار کے مطابق پر امن زندگی بسر کریں اور ترقی، خوشحالی اور امن وسکون کی راہ پر چلتے رہیں۔ اسلام چونکہ اپنا مخصوص نظامِ حیات رکھتا ہے اس لیے وہ غلبۂ کفر کے تحت اسے قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسلام محض روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ تک محدود نہیں کیونکہ یہ سیاسی اور اقتصادی امور میں بھی اپنے نفاذ و اقتدار کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا قیامِ پاکستان سے قبل انڈیا میں مسلمان کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی انفرادی طور پر ادائیگی کی آزادی نہیں تھی؟ سیاسی غلبہ واقتدار کے بغیر اسلامی نظام مکمل طور پر پنپ نہیں سکتا۔ یہ زندگی کے جملہ اہم شعبہ جات مثلاً معاشرت، اقتصادیات، سیاست، ثقافت، عبادات وعقائد اور ان کے ضمنی پہلوؤں میں اپنے مکمل اور آزادانہ نفاذ کا متقاضی ہے۔ محض چند عبادات کی ادائیگی سے تمام اسلامی فرائض پورے نہیں ہوتے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی وضاحت کے لیے بہت کچھ کہا ہے۔ یہاں صرف چند مثالیں دی جاتی ہیں۔ آپ نے کہا تھا۔

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

☆☆

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

☆☆

یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

☆☆

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☆☆

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حضرت موسیٰؑ کو اپنا نظام نافذ کرنے کے لیے عصا اور یدِ بیضا دیے گئے تھے تاکہ وہ فرعونی سیاست کا خاتمہ کرسکیں۔

القصہ اسلام اپنے نظام کے اقتدار و نفاذ کے لیے آزادی اور الگ آزاد مملکت کو لازم قرار دیتا ہے۔ اگر مذہب میں زورِ حکومت نہ ہوتو وہ صرف فلسفہ اور فکری نظام ہی رہ جاتا ہے۔

اس لحاظ سے قائداعظمؒ کا مطالبۂ پاکستان اسلامی فکر کا ہی آئینہ دار تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے مدینۂ منورہ میں تشکیل پانے والی اسلامی ریاست اس حقیقت کی شاہد تھی۔

(5) جب 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے منٹو پارک (موجودہ اقبالؒ پارک) میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا تو اس میں جو قرارداد منظور کی گئی وہ ''قراردادِ لاہور'' کہلاتی ہے۔ اس وقت لفظ پاکستان کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ بعد ازاں قائداعظمؒ نے پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس کے نام اپنے پیغام بتاریخ 15 اگست 1947ء میں لفظ پاکستان استعمال کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"…. Let me tell you fellow citizens, Pakistan is a land of great potential resources. But to build it up into a country worthy of the Muslim nation, we shall require every ounce of energy that we possess and I am

confident that it will come from all whole-heartedly. Pakistan Zindabad."

اپنے اس پیغام میں آپ نے اہلِ پاکستان کو جو ہمت آفریں، رجائیت آمیز اور حکیمانہ مشورے دیے ہیں وہ تعمیرِ ملک وملت کے لیے بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر افرادِ ملت بے شمار قدرتی وسائل کی حامل اس پاک دھرتی کی تعمیر وترقی کے لیے پوری تندہی سے کام کریں تو وہ ان شاء اللہ اسے دنیا میں نمایاں مقام دلا سکتے ہیں۔ اپنی توانائیوں کو صحیح انداز میں استعمال کرنا نہ صرف فرد بلکہ ملت کے لیے بھی مفید ہوگا۔ افراد ہی ملک وقوم کو بنانے اور بگاڑنے میں نمایاں کردار ادا کیا کرتے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ افراد اپنی بہتری اور ملکی فلاح کے لیے اپنی خداداد صلاحیتوں کو درست انداز میں پروان چڑھائیں اور یوں عظمت وشہرت کے مالک بن جائیں ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

(6) بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے ان الفاظ میں یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ آپ نے اسلام کی حفاظت اور بقا کے لیے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ نے بڑے غیر مبہم طور پر قیامِ پاکستان اور اسلامیانِ ہند کی آزادی کو ایک قابلِ عمل اور واحد نصب العین قرار دے کر دین وسیاست کی جدائی پر مبنی نظام کی تردید کر دی ہے۔ اس واضح بیان کے باوجود بھی اگر ان کے مخالفین انہیں سیکولر ازم (secularism) کا حامی کہنے پر بضد ہوں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

(7) قائد اعظمؒ اپنے مسکت اور ٹھوس دلائل کی بنا پر اپنے مخالفین کے موقف کے بودے پن کو بے نقاب کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ایک ذہین، کامیاب اور بلند پایہ وکیل ہونے کے لحاظ سے آپ نے مطالبۂ پاکستان، ایک جداگانہ آزاد اور خودمختار اسلامی مملکت کے قیام اور مسلم قومیت کے تصور کی حمایت میں بڑے فکر انگیز اور حقیقت پسندانہ دلائل دیے اور آخرکار اپنے نصب العین میں کامیاب ہو گئے۔یہاں آپ نے ہندو رہنماؤں کو مسلم قومیت کے حق میں جو دلیل دی ہے وہ بڑی وزنی اور مؤثر ہے۔آپ نے درست کہا ہے کہ ہندو اپنے دھرم کو ترک کرنے والے کو خود اپنے مذہب سے خارج کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ نو مسلم ایک دوسری قومیت کا فرد بن جاتا ہے۔ہم بھی تو انہیں یہی کہتے تھے کہ ہندو دھرم اور اسلام دو الگ اور مختلف تہذیبی، مذہبی، ثقافتی، تاریخی اور تمدنی روایات و اقدار کے حامل ہونے کی حیثیت سے ایک ہی قومیت یعنی انڈین نیشنلزم کے ترجمان نہیں۔اسلامی نظریہ قومیت جغرافیائی حدود کے اشتراک پر مبنی نہیں۔علامہ اقبالؒ نے بھی اس اسلامی فکر کی عکاسی کرتے ہوئے کہا تھا ۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

(8) ہر ایک حقیقی اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم باشندوں کے ساتھ بھی عادلانہ مساوات کا اصول اپنایا جاتا ہے کیونکہ قرآنِ حکیم نے متعدد آیات

میں ہمیں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ "۔ (سورہ النحل، آیت 90)۔ (بے شک اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ یہ عدل واحسان صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس میں غیر مسلم رعایا اور دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔ قرآنِ کریم نے تمام انسانوں کو ایک ہی اصل اور ایک ہی خاندان سے منسلک قرار دیتے ہوئے ان کی تکریم وتعظیم کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اسی طرح انہیں جبراً دین میں شامل کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (سورہ البقرہ آیت 256) (دین میں کوئی زبردستی نہیں)۔ اسلامی تعلیمات نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ مذہبی رواداری کی تلقین کی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو غیر مسلم رعایا کے ساتھ حقوقِ انسانیت کی اسلامی مملکت میں صحیح پاسبانی کی جاتی ہے۔ اگر کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں کرتا تو وہ خود اس کوتاہی کا ذمہ دار ہے نہ کہ اسلام۔

(9) تاریخِ انسانیت کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قوموں کی حیات و ممات کا تعلق چند اہم اصولوں اور قدرت کے لگے بندھے حقائق کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اگر خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے ان قواعد وضوابط کی پابندی نہ کی جائے تو پھر مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی قوم اپنی زندگی کی متعین کردہ منزل کی طرف گامزن ہونے کی خواہاں ہوتی ہے تو اسے سب سے پہلے اپنی آئیڈیالوجی قائم کرنے کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے عملی اقدامات کا جائزہ لے سکے۔ اپنے نظریۂ حیات میں پختہ یقین کے بغیر وہ عروسِ کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں اپنے اس بنیادی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اپنے افراد کو متحد اور منظم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کا خیال ہونا

ہے۔ اس لحاظ سے قومی اتحاد اور قومی تنظیم کے بغیر متوقع نتائج کا حصول محال ہو جاتا ہے۔ قدرت کے اس اٹل اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قیامِ پاکستان کی منزل کی طرف رواں دواں ہونے سے قبل اسلامیانِ ہند کے اذہان وقلوب میں ایمان، اتحاد اور نظم کی اہمیت کو جاگزیں کرنے کے لیے انہیں ایک مختصر مگر بڑا معنی خیز، اتحاد پرور اور انقلاب آفریں نعرہ دیا تھا جس نے انہیں غیر متزلزل اور پُریقین بنایا اور یوں قیامِ پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

قرآنِ حکیم نے ایک چھوٹی سی سورۃ ''العصر'' میں قومی تنظیم، اتحاد اور صبرو استقلال کی خصوصیات کی اہمیت و افادیت کا درج ذیل آیات میں تذکرہ کیا ہے۔ ان آیات کے الفاظ پر غور کیجیے اور ملّی عروج کے ان چند اصولوں کی حقانیت کا اعجاز ملاحظہ فرمائیے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3) (سورۃ العصر' آیات 1-3)(بے شک انسان خسارے میں ہے۔ مگر وہ لوگ خسارے میں نہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہے)۔ تاریخ انسانیت اس امر کی گواہی دے گی کہ انہی قوانینِ قدرت نے قوموں کے عروج و زوال میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ہم بھی انہی حقائق کی روشنی میں اپنے مستقبل کو درخشاں بنا سکتے ہیں۔

(10) قائداعظمؒ کو کانگریس میں رہنے اور ان کے ساتھ آزادیٔ وطن کے لیے کام کرنے سے ہندو رہنماؤں کی متعصب ذہنیت کا بخوبی علم ہو گیا تھا۔ بعد ازاں

جب آپ نے کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تو تشکیلِ پاکستان کی سیاسی جدوجہد کے دوران آپ کو ہندو رہنماؤں سے متعدد بار معاملات طے کرنا پڑے، ایسے میں انہیں ان کی سخت اسلام دشمنی کا مزید تجربہ ہو گیا تھا۔ آپ کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ ہندو رہنما انگریزی حکومت کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کے مفادات کو مزید نقصان پہنچانے اور بدیشی حکومت کے بعد انڈیا میں ہندو راج کے قیام کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ آپ کو معلوم تھا کہ پاکستان کے قیام کے یہ مخالفین کسی طرح بھی پاکستان کو پسند نہیں کرتے۔ قائداعظمؒ نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر انہیں بتا دیا تھا کہ قیامِ پاکستان اسلامیانِ ہند کے ایمان کا جزو بن چکا ہے۔ اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ بانیٔ پاکستان نے پاکستان کو جزوِ ایمان کیوں کہا تھا۔

ہم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور ہادیٔ اعظم ﷺ کی نبوت و رسالت پر پختہ ایمان بنیادی شرط ہے۔ کلمۂ طیبہ کا پہلا حصہ یعنی لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں ہے) خدائے واحد کی بندگی کا اقرار ہے۔ جب مسلمان خدا کو اپنا معبودِ حقیقی مان لیتا ہے تو اس پر خدا کی ہمہ وقت اور بلاشرط عبادت یعنی غلامی لازم ہو جاتی ہے۔ یہ محض زبانی اقرار ہی نہیں بلکہ دلی تصدیق اور اس کے عملی اظہار کا بھی تقاضا ہے۔ محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہی کافی نہیں بلکہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی کے تمام شعبہ جات مثلاً معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت اور تمدن وغیرہ میں بھی اس اقرارِ بندگی کو عملی طور پر نافذ کرنا ہے۔ ہم جب اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر عبادات و عقائد کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اقتصادی،

سیاسی اور ثقافتی معاملات میں بھی ہمیں اسلامی احکام کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ڈھالنا پڑتا ہے۔قرآن نے کہا ہے:-

"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو حقِ حکمرانی نہیں۔بقول اقبالؒ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اللہ حاکمِ اعلیٰ (sovereign) ہے۔اسی کے احکام کے مطابق نظامِ حکومت چلانا لازم ہو جاتا ہے۔کفر کے نظام میں یہ دب کر رہ جاتا ہے۔محض نماز وغیرہ کی ادائیگی اسلامی عبادت کے وسیع مفہوم کو محدود کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

آزاد اسلام کے لیے الگ خطۂ زمین درکار ہے جہاں یہ شجرِ طیبہ پوری طرح بار آور ہو سکے۔کیا ہندو راج میں اسلامی نظامِ حیات کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے تھے؟ نظامِ کفر اور نظامِ اسلام دو مختلف نظریہ ہائے زندگی و مذہب کے علمبردار ہیں۔ان میں اشتراکِ عمل کیسے ممکن تھا؟ قائداعظمؒ نے اس اسلامی فکر کے تحت بجا ہی کہا تھا کہ پاکستان ہمارا جزوِ ایمان ہے۔

لفظ "پاکستان" کی اصل کیا ہے؟.....لندن کے چند نوجوان تھے جنہوں نے 30-1929ء میں یہ لفظ بنایا تھا۔وہ شمال مغرب کے ایک خاص حصے کو انڈیا کے باقی علاقوں سے الگ کرنے کے خواہش مند تھے۔انہوں نے یہ نظریہ شروع کیا اور اس خاص علاقے کو "پاکستان" کہا۔

''جب ہم نے قرار دادِ لاہور منظور کی تھی۔ اس وقت ہم نے لفظ پاکستان استعمال نہیں کیا تھا۔ ہمیں کس نے یہ لفظ دیا؟ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ ہندوؤں کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے ہماری قرار دادِ لاہور کو پاکستان کی بنیاد خیال کر کے اس پر لعن طعن کی تھی۔ انہوں نے یہ لفظ بنا کر ہم پر تھوپا ہے..... اب میں اپنے ہندو اور برطانوی دوستوں سے کہتا ہوں کہ ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ تم نے یہ ایک لفظ دیا ہے''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب 24 اپریل 1943ء)

پاکستان-ایک معجزہ

مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام ایک معجزہ سے کسی طرح کم نہیں تھا کیونکہ یہ بے شمار مخالفتوں، مزاحمتوں، خطرات اور ریشہ دوانیوں پر قابو پانے کے بعد معرض وجود میں آئی تھی۔ پاکستان کے مخالفین خصوصاً ہندو رہنما تو اس کی تشکیل کے بعد بھی شر انگیز بیانات دینے سے باز نہیں آئے تھے۔ وہ عموماً یہ پروپیگنڈہ کرنے میں لگے رہے کہ پاکستان زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتا اس لیے آخر کار اسے دوبارہ ہندوستان میں ضم کیا جائے گا۔ قائد اعظمؒ ان کی شر انگیزیوں کا جواب دیتے ہوئے دوقومی نظریے کی حقیقت کا برملا اظہار کرتے رہے۔ اس ضمن میں آپ نے متحدہ قومیت کو ردّ کرتے ہوئے کہا: ''جہاں تک دوقومی نظریے کا تعلق ہے، یہ اب نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت بن چکا ہے۔ انڈیا کی تقسیم اسی نظریے کے مطابق ہوئی ہے۔ مزید برآں گزشتہ دو مہینوں کے مکروہ اور افسوسناک واقعات اور پاکستان سے ہندوؤں کے اخراج نے اس حقیقت کو بلا شبہ فاش کر دیا ہے۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک ہی قوم ہے''۔

(رائٹر کے نامہ نگار ڈنکن ہوپر کو انٹرویو 25 اکتوبر 1947ء)

ایسے نازک حالات میں آپ نے نہ تو خود ہمت ہاری تھی اور نہ ہی اپنی ملت کے افراد میں قنوطیت پیدا ہونے دی۔ آپ اہلِ پاکستان کو مسلسل صبر کوشی، جفاکشی اور بلند ہمتی کی تلقین کرتے رہے۔ آپ نے 30 اکتوبر 1947ء کو پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس کے لاہور سٹیشن سے اپنی نشری تقریر میں جن حوصلہ افزا اور جوش پرور خیالات کا اظہار کیا تھا اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔ آپ کے اپنے الفاظ ہیں:-

"While the horizon is beset with dark clouds, let me appeal to you and give this message to the people of Pakistan: Create enthusiasm and spirit and go forward with your task with courage and hope and we shall do it. Are we down-hearted? Certainly not. The history of Islam is replete with instances of valour, grit and determination. So march on notwithstanding obstructions, obstacles and interference and I feel confident that a united nation of 70 million people with a grim determination and with a great civilization and history we need fear nothing. It is now up to you to work, work and work and we are bound to succeed, and never forget our motto, *unity, discipline and faith*."

ایک طرف مسلمانوں میں قیامِ پاکستان کے وقت خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دوسری طرف ہندوؤں نے انڈیا میں مقیم مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی مذموم مہم کا آغاز کر دیا۔ مہاجرین پر اس وقت جو قیامت برپا ہوئی وہ خاصی طویل، خونچکاں اور لرزہ خیز ہے۔ نوزائیدہ مملکت کو ہر طرف سے منڈلاتے ہوئے خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے پریشان کن حالات میں بانیٔ پاکستان نے مسلمانوں کے دلوں میں جفاکشی اور صبر و استقلال کے جذبات پیدا کرنے کے لیے انتھک کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کو ان کی اسلامی تاریخ یاد دلاتے ہوئے بجا فرمایا کہ ان کے اسلاف نے

بھی نا مساعد حالات کا بڑی بہادری اور عزمِ راسخ سے مقابلہ کیا تھا۔ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہمیں بھی مشکلات و مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ نحیف و نزار جسم کے حامل اس عظیم قائد کی دور اندیشی، حکمتِ عملی اور عزمِ راسخ کی داد دیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ کاش ان کی وفات کے بعد ہمارے سیاسی قائدین بھی ایسی ہی جرأت، بلند نگاہی، زیرکی، عزم بالجزم، ملت دوستی اور اسلامی بصیرت کا ثبوت دیتے تا کہ ہمارا کاروانِ ملت جادہ پیمائے ترقی و عظمت ہوتا اور مملکتِ پاکستان صحیح معنوں میں فلاحی ریاست بن جاتی۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

استحصال پسندوں کو انتباہ

”قومی زندگی میں جائز مقام حاصل کرنے سے پہلے خدمت، تکلیف، ایثار اور قربانی بالکل لازم شرطیں ہیں۔“

(بابو راجندر پرشاد کی پیشکش کے جواب میں ایک بیان' 26 جولائی 1937ء)

”آپ یہ مت بھولیں کہ اسلام ہر ایک مسلمان سے اپنے فرض کی ادائیگی کی توقع رکھتا ہے۔“

(عید کے روز نشری تقریر' 13 نومبر 1939ء)

”آیئے ہم عوام کی اجتماعی فلاح اور اعلیٰ و نیک مقصد کی خاطر اپنے ذاتی مفادات اور سہولتوں کو ترک کر دیں۔ پاکستان کا یہی مقصد ہے۔“

(مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام' 4 اپریل 1943ء)

”میں یہاں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کو یہ تنبیہ کرنا چاہوں گا جنہوں نے ایک غلط نظام کے سہارے ہمیں نقصان پہنچا کر خود فروغ پایا ہے....

لوگوں کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ انہوں نے اسلام کے اسباق کو فراموش کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لالچ اور خود غرضی نے دوسروں کے مفادات کو اپنے تابع کر لیا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو موٹا بنا سکیں..... میں نے دیہاتوں میں جا کر دیکھا ہے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں کو ایک دن کا کھانا بھی مشکل سے میسر آتا ہے۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی مقصدِ پاکستان ہے؟.... اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان کو حاصل نہیں کروں گا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب' 24 اپریل 1943ء)

"ماضی میں مسلم قیادت کے نام پر بہت سے رہنماؤں نے آپ کو خوب لوٹا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ باب ابھی تک بند نہیں ہوا۔ میں آپ کو یہ تنبیہہ کرتا ہوں کہ آپ کے رہنماؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا ایک پاؤں ایک گروہ میں ہے اور دوسرا پاؤں دوسری جماعت میں۔ اس لیے آپ کو اپنے رہنماؤں کے انتخاب میں بہت محتاط ہونا پڑے گا۔"

(بنگلور میں تقریر' جون 1941ء)

"آپ کا اوّلین فرض عوام کی بہبود کے لیے تعمیری اور فلاحی لائحہ عمل تیار کرنا اور مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے ذرائع کے بارے میں سوچنا ہے۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لکھنؤ اجلاس میں صدارتی خطبہ' اکتوبر 1937ء)

"آپ اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آگے بڑھیں اور عوام کو اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کریں۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاسِ لاہور میں صدارتی خطبہ' 23 مارچ 1940ء)

"مہربانی کر کے گروہی مفادات، باہمی رقابتوں، قبائلی تصورات اور خود

غرضی کی بجائے آپ اسلام اور اپنی قوم کی محبت اختیار کریں۔ان برائیوں نے آپ کو مغلوب کر دیا ہے۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطاب 24 اپریل 1943ء)

"قوم کی بہبود اور ترقی کے لیے پریس ایک اہم ضرورت ہے کیونکہ پریس کے ذریعے ہی قومی ہدایت اور رائے عامہ کی تشکیل ممکن ہے۔"

(ڈان اخبار کی پہلی سالگرہ کے موقع پر پیغام 12 اکتوبر 1943ء)

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ہمدردی آپ کے ساتھ ہے۔ میں مسلمانوں کی ترقی اور اجتماعی نوعیت کے عزیز مقصد کے لیے عاجزی سے کام کر رہا ہوں۔"

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، راولپنڈی کے سالانہ اجلاس پر پیغام 7،8 مارچ 1942ء)

ایثار وقربانی

یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندگی مسلسل جدوجہد اور جفاکشی کا دوسرا نام ہے۔ایک انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے ایثار، قربانی، تکلیف اور خدمت کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ماں باپ کو اپنی اولاد کی صحیح نگہداشت اور ترقی کے لیے جدوجہد، جفاکشی اور قربانی سے واسطہ ہوتا ہے۔جس طرح فرد کو اپنی انفرادی زندگی کو خوشگوار، بہتر اور متحرک بنانے کے لیے کافی تکالیف اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح اسے قومی زندگی میں جائز مقام حاصل کرنے کے لیے بھی بہت تگ ودو اور محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ حکیم نے کہا ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ "(سورۃ البلد آیت 4)(بے شک ہم نے انسان کو جفاکشی کے لیے بنایا ہے)۔

قوم کا مخدوم اور سردار بننے کے لیے انسان کو بہت سی خوبیاں درکار ہوتی ہیں یونہی اس کے سر پر عظمت وشہرت کا تاج نہیں رکھ دیا جاتا۔عوام الناس کے دلوں میں جگہ پانے کے لیے ہمیں ان کی خدمت کرنے اور ان کے ساتھ دلی ہمدردی اور ایثار کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔یہ نیکی پانے کے لیے ہمیں وقت اور پیسے کی قربانی کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:-

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (سورہ آلِ عمران آیت 92)(تم ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جن سے تمہیں محبت ہے)۔

قائداعظمؒ نے اپنے مندرجہ بالا الفاظ میں اسی قرآنی فکر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قومی خدمت

قائداعظمؒ نے اپنے اس قول میں اسلامی تعلیمات کے ایک نہایت اہم امر کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے۔آپ نے ہمیں اسلام کا ایک بھولا ہوا شاندار سبق یاد دلایا ہے جو گہرے اور وسیع معانی کا حامل ہے۔ہماری زندگی اصل میں حقوق و فرائض کی حفاظت اور ادائیگی سے عبارت ہے۔اگر ہر مسلمان ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے اور اپنے معاشرتی فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے تو پھر ہمارا معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے گا۔اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر معاشرہ فتنہ وفساد، بدامنی، انتشار اور باہمی تنازعات کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔اسلام کی تعلیمات نے ہمیں متوازن اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے چند بنیادی اصول دیے ہیں مثلاً اخوت، محبتِ باہمی، نیکی میں تعاون اور بدی سے پرہیز، بدظنی اور دوسروں کے معاملات کے تجسس سے گریز، احترامِ باہمی اور امن وصلح وغیرہ۔چند قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:-

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (سورہ الحجرات' آیت 10) (بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا (سورۃ الانفال' آیت 46) (تم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو)۔ "وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (سورہ لقمان' آیت 17) (اور تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک)۔ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْناً" (سورۃ البقرۃ' آیت 83) (اور تم لوگوں سے اچھے انداز میں بات کرو)۔ مسلمان کا اولین فرض خدا تعالیٰ کی توحید اور نبیؐ اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ اس کے بعد اس کے دوسرے فرائض اپنے گھر والوں، ہمسایوں، رشتہ داروں، مسافروں، یتیموں، دوستوں، بے کسوں اور عام شہریوں اور سب انسانوں کے ساتھ محبت، حسنِ سلوک اور اخوت کا عملی مظاہرہ کرنا ہے۔ ملک کے قوانین کا احترام اور قومی خدمت بھی اس کے معاشرتی اور اخلاقی فرائض کا حصہ ہیں۔ قرآن وحدیث میں ہر مسلمان کے حقوق وفرائض کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ انسانی محبت اور ہمدردی اصل میں روح عبادت ہیں۔ اس لحاظ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد اس کے دو اہم پہلو ہیں۔

اقتصادی ناہمواریاں

قائداعظمؒ کے نظریۂ پاکستان کا ایک پہلو اقتصادی بھی تھا۔ تشکیلِ پاکستان سے قبل برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہت زبوں اور پریشان کن تھی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد تو زیادہ تر مسلمانوں کو تختۂ مشقِ ستم بنایا گیا تھا۔ انگریز حکومت نے مجاہدین کے علاوہ عام مسلمانوں پر بھی اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے تھے چنانچہ وہ غربت وافلاس کا بری طرح شکار

ہو گئے ۔اس لیے مسلم لیگ نے مسلمانوں کی معاشی حالت کو سنوارنے کی طرف بھی توجہ دی۔ مسلمان عوام کی اجتماعی فلاح میں اقتصادی پہلو کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس لئے بانی پاکستان نے اس کی اہمیت و افادیت کو واضح کرنے کے لیے اسے بھی حصول پاکستان کا مقصد قرار دیا تھا۔ان کا تصور پاکستان ہمہ گیر نوعیت کا تھا جس میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ، اسلامی نظام کا قیام، مسلم ثقافت کا تحفظ، ہندو مسلم فسادات کا انسداد، سماجی بہبود، علمی ترقی اور مملکتِ پاکستان کی سیاسی خودمختاری کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اسلامی معاشرت کے قیام کا ان تمام امور کے ساتھ نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہوتا ہے۔

قائداعظمؒ نے بجا طور پر عوام کی اجتماعی فلاح اور ذاتی مفادات پر قومی مفادات کو ترجیح اور اہمیت دے کر اپنی صالح فکر کا اظہار کیا ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں فلاحِ عوام، وحدتِ انسانیت، آفاقی اخوت، حریتِ افکار اور انسانی محبت وخدمت کا حکم دیا ہے۔نظامِ زکوۃ،صدقات اور خیرات کی تاکید کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے: ”اَنْفِقُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہ “یعنی تم اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو۔خدا کی راہ سے مراد ہے اسے ان کاموں کے لیے خرچ کرو جن کا قرآن و سنت نے حکم دیا ہے۔قرآن نے مومنین کی اس صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔”وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ “(سورۃ البقرہ آیت 3)(وہ (متقی لوگ) صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے وہ اسے خرچ کرتے ہیں)۔یہ انفاق عموماً مسافروں،غریبوں، بے سہارا، بیکار، بوڑھے اور معذور انسانوں کا حق ہے۔عوام کی فلاح کے لیے مالی قربانی کے علاوہ وقت کی قربانی بھی ضروری ہے۔ معاشرے کی اصلاح وفلاح کا دائرہ کافی وسیع ہے۔عوام کے علاوہ حکومت کو بھی لازماً عوام کی بنیادی ضروریات کی تکمیل، ان کی

خودی کی نشوونما اور دیگر مفید کاموں کی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔ الغرض باہمی تعاون ،محبت، اخوت ،خدمت، فلاح اور ایثار سے کام لے کر ہی ہمہ گیر ملی ترقی کے مراحل کو طے کرنے کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اعلیٰ افراد سے ہی اعلیٰ ملت جنم لیا کرتی ہے۔ بقول اقبالؒ ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

قائدِ اعظمؒ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے تھے کہ مسلمانانِ ہند کی معاشی حالت کو سنوارنے کے لیے غلط قسم کی جاگیرداری کو ختم کرنا ضروری ہے۔ انگریز حکومت نے عام طور پر ان لوگوں کو جاگیریں دی تھیں جو ان کے ایجنٹ، نمک خوار اور مطیع تھے۔ ظاہر ہے کہ انگریز ایسے ہی لوگوں کو نوازنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ عام مسلمان تو غربت کی چکی میں پس رہے تھے مگر جاگیردار عیش و آرام کی زندگیاں بسر کرتے تھے۔ علاوہ ازیں زمیندار طبقے نے اپنے ملازمین خصوصاً مزارعین کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ غریب کسانوں کی غربت سے بے نیاز ہو کر اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔ ان سے ملکی خدمت اور فلاحِ عوام کی توقع عبث تھی۔ اس لیے قائدِ اعظمؒ نے انہیں ہدفِ تنقید بنایا اور انہیں خبردار کیا کہ وہ استحصالی روش سے باز آ جائیں۔ یہ تنبیہہ ان کے دلی خلوص، عوامی محبت و ایثار اور نیک فکر کی آئینہ دار تھی۔ ہر انسان دوست سیاستدان اور مفکر یہی رائے رکھے گا۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے کلام میں کئی بار زر پرست طبقوں کی غلط روش کی مذمت کی ہے۔ وہ غریب مزدوروں اور کسانوں کی حالتِ زار سے غمناک تھے۔ ان سے ہمدردی کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب

از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

(امیر آدمی مزدور کی رگ کا خون بہا کر خالص نفع حاصل کر رہا ہے اور زمینداروں کے ظلم سے کسانوں کی کھیتیاں برباد ہو رہی ہیں)۔

جاگیرداروں کو قائداعظمؒ نے اپنی استحصال پسندی کی روش ترک کرنے کی تلقین کی تھی۔ اب انہوں نے سرمایہ داروں کو بھی تنبیہہ کی ہے کہ وہ بھی اپنی ملی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے غریبوں کا استحصال نہ کریں۔ بانی پاکستان نے ان کی ہوسِ زر اور خود غرضی کو اسلامی اخلاقیات کے منافی خیال کرتے ہوئے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اگر انسان دوسرے انسان کے حقوق کو بری طرح پامال کرے اور انہیں غریب سے غریب تر بنانے کی عادت کو ترک نہ کرے تو یہ روش نہ صرف اسلام ہی کے خلاف ہے بلکہ تہذیب اور مقصدِ پاکستان کے بھی منافی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ کی نظر میں قیامِ پاکستان کے بنیادی مقاصد کا ایک پہلو غریب، پس ماندہ، ستم رسیدہ اور مجبور انسانوں کی مشکلات کا حل اور ان کی اقتصادی خوشحالی بھی تھا۔ اگر کسی ملک کے عوام مفلوک الحال، بے چین، غربت زدہ ہوں گے تو وہ ملک و ملّت کے علاوہ اسلام کی بھی صحیح خدمت کرنے سے قاصر ہوں گے۔ جو شخص ہر وقت روٹی کی ہی فکر میں غلطاں ہو گا وہ کسی اور چیز کی طرف کیسے توجہ دے گا؟ اس لیے قائداعظمؒ نے جاگیرداری اور سرمایہ داری کے نظاموں سے اپنی دلی بےزاری کا اظہار کر کے اپنی انسانیت نوازی اور اسلام سے محبت کا ثبوت دیا ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا" (غربت انسان کو (کبھی کبھار) کفر کے قریب لے جاتی ہے)۔ اسلام کا فلاحی نظامِ سیاست اپنے تمام باشندوں کی بلا امتیازِ مذہب و ملّت فلاح و بہبود کا علمبردار ہے۔ اس میں کسی قسم کے استحصالی، ظالمانہ انسانیت کش اور تہذیب سوز نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ غربت تو بڑے بڑے شیروں کے اندر بھی بزدلی پیدا کر دیا کرتی ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

ے آنچہ شیراں را کند، رو بہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

تہذیب، انسانیت کی وہ درخشاں اور قابلِ ستائش قدر ہے جو اسے حیوانیت اور انسانیت سوزی سے ممتاز کرتی ہے۔ ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسانوں کی تذلیل، تہذیبی اقدار کے منافی ہے۔ انسان، اگر انس و محبت کے جذبات سے عاری ہے تو وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ حیوانوں کے برعکس انسان مل جل کر زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ انسانی معاشرہ کو پر امن، خوشگوار اور نیکی وراحت کا گہوارہ بنانے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہاں باہمی محبت، اخوت، احترامِ آدمیت، ہمدردی، تعاون اور صالح اقدار ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کا بھی تسلی بخش تحفظ ہو۔ اگر لوگ ایک دوسرے کا بری طرح استحصال کرنے لگیں اور ذاتی مفادات کوملی اور اجتماعی مفادات پر ترجیح دیں تو وہاں تہذیبی اقدار فروغ نہیں پاسکیں گی۔ دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے دراصل اجتماعی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ خدا نے انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے بھیجے ہوئے نیک بندوں کی پیروی کرتے ہوئے انسانی معاشرہ میں مثبت کردار ادا کریں۔ یہ کام باہمی محبت اور ہمدردی کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

رسول کریم ﷺ نے بنی نوع انسان کو خدائی کنبہ قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا:-

اَلْخَلْقُ عَیالُ اللّٰہِ وَ اشْفَقَۃٌ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ (تمام مخلوقات خدائی کنبہ ہیں

اس لیے خدا کی ساری مخلوقات کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہیے)۔ قائد اعظمؒ نے اپنے الفاظ میں اسی اسلامی فکر کی عکاسی کی ہے۔

امن و امان

سابقہ صفحات میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ ایسا پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے جہاں ہر طرف امن و امان، اقتصادی خوشحالی، عوامی فلاح، سیاسی آزادی وخودمختاری، معاشرتی ترقی، اسلامی افکار ونظام کی حکمرانی ہو۔ آپ کے اس وسیع البنیاد مقصد میں اخلاقی اقدار کے فروغ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ آپ طبقاتی کشمکش کے برعکس پاکستان میں آقا و مزدور، صنعت کار و ملازم، زمیندار و مزارع اور عوام اور حکومت کے درمیان باہمی بھائی چارے اور محبت و ہمدردی کے احساسات و خیالات کی ہم آہنگی کے قائل تھے۔ جذبِ باہمی ہی کی وجہ سے کائنات کا سارا نظام قائم اور فروغ پذیر ہے۔ پاکستان کو صحیح انداز میں پاک لوگوں کا وطن بنانے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کے استحصال اور طبقاتی جنگ کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ محبت کی بنا پر ہی قومیں عظمت و ترقی کی مالک بنتی ہیں۔ بقول اقبالؒ۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

دینِ اسلام حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کا حامی نہیں کیونکہ دورخی اور نفاق کی روش پر چلنے والا لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ یہ لوگ ایسے سیاستدان کے اقوال اور افعال کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کب وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل لے۔

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

قائداعظمؒ ایسے سیاستدانوں کوسخت ناپسند کرتے تھے جو کسی ایک جماعت سے مربوط نہیں ہوتے بلکہ وہ کئی جماعتوں سے منسلک ہو کر منافقین کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں خلوص وایثار کہاں پیدا ہوسکتا ہے؟ ان کا مسلک موقع شناسی، ابن الوقتی اور سراسر ذاتی مفاد ہوا کرتا ہے۔ مسلم لیگ میں ایسے چند افراد موجود تھے جو دوسرے گروہوں اور طبقات کی محبت وعقیدت کا بھی دم بھرنے کے عادی تھے۔ یہ لوگ حقیقت میں مارِ آستین تھے۔

قائداعظمؒ اسلام سے دلی محبت رکھتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کا خادم بن کر کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ اسی نظریۂ حیات کے تحت عوام کی اقتصادی ترقی، سماجی بہبود، تعلیم کے حصول اور سیاسی سرگرمیوں کے قائل تھے۔ اب ہم کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سیاست کو اسلام پر ترجیح دیتے تھے یا دین و سیاست میں امتیاز کے قائل تھے؟

ذرائع ابلاغ

بانی پاکستان کی نظر میں پریس کی اہمیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنے اس قول میں پریس کی قومی ضرورت، اس کی قومی خدمات اور رائے عامہ کی تشکیل کے ضمن میں اس کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔ دورِ حاضر کو اگر پروپیگنڈے کا زمانہ کہا جائے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔ اس بات میں کسے شک ہوسکتا ہے کہ نظریۂ پاکستان کے فروغ اور اس مملکتِ اسلامیہ کی تشکیل میں ہمارے پریس نے

خاصا مفید کردار ادا کیا ہے۔ پریس کے علاوہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اب انٹرنیٹ بھی کافی اہمیت حاصل کر گئے ہیں۔ اپنے پروگرام کی اشاعت کے لیے ہر جماعت اور گروہ کو نشر و اشاعت کے ذرائع کی ضرورت ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے ہندو پریس کافی مضبوط تھا اس لیے وہ تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہا تھا۔ بعد ازاں مسلم پریس نے بھی نظریۂ پاکستان کو مقبولِ عوام بنانے اور مخالفین کے غلط پروپیگنڈے کا معقول جواب دینے میں قابلِ قدر کردار ادا کیا تھا۔

تعمیرِ وطن

''پاکستان کی تعمیر و استحکام کا عظیم تر کام ابھی باقی ہے جو ہماری تمام تر توانائی کا متقاضی ہے۔ دنیا کی اس نئی عظیم ترین خود مختار ریاست کو ہم مکمل اتحاد، نظم و ضبط اور ایمان کے ذریعے بفضلِ خدا مضبوط بنا دیں گے۔''

(لندن مسلم لیگ کے صدر کے نام پیغام' 7 جولائی 1947ء)

''چودہ اگست پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت کی سالگرہ ہے۔ یہ اس مسلم قوم کی تقدیر کی تکمیل کی آئینہ دار ہے جس نے گزشتہ چند سالوں میں اپنے وطن کے حصول کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ میں اس اہم موقعہ پر اپنے نصب العین کی خاطر جان دینے والے مجاہدوں کو یاد کرتا ہوں۔ پاکستان ان لوگوں کا شکر گزار رہے گا اور ان کی یاد کو عزیز رکھے گا۔''

(قوم کے نام پیغام' 15 اگست 1947ء)

''جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے یہ محض نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت بن چکا ہے۔ انڈیا کی تقسیم اس حقیقت پر مبنی ہے جسے بلاشبہ گزشتہ دو مہینوں کے بدنما

اور قابلِ افسوس واقعات نے اور مزید بر آں انڈیا کی ڈومینین نے اپنے افراد قوم کی حیثیت سے ہندوؤں کو پاکستان سے نکال کر ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انڈیا میں ایک قوم ہے۔"

(رائٹر کے نامہ نگار کو انٹرویو' 25 اکتوبر 1947ء)

مسلح افواج

"میں چاہتا ہوں کہ باوجود ان خطرات کے جو ہمیں درپیش ہیں' آپ سب کامل اتحاد اور یک جہتی کے ساتھ کام کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم پاکستان کا وقار پہلے سے زیادہ بلند رکھتے ہوئے اور اسلام کی عظیم روایات اور قومی پرچم کو بلند کیے ہوئے ان خطرات کے درمیان سے کامیابی کے ساتھ گزر جائیں گے۔"

(پاکستان کی مسلح افواج کے نام پیغام' 8 نومبر 1947ء)

وفادار شہری

"نئی ریاست (پاکستان) کی تخلیق نے پاکستان کے شہریوں پر بہت بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اس نے انہیں یہ موقع فراہم کیا ہے کہ دنیا پر یہ ظاہر کر دیں کہ بہت سے عناصر کی حامل قوم کس طرح ذات پات اور عقیدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے سب شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے امن و دوستی کے ساتھ کام کر کے پُر امن زندگی بسر کر سکتی ہے۔

مسلمانانِ ہند نے دنیا پر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہیں اور ان کے منصفانہ اور درست نصب العین کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ آیئے ہم اپنے قول، فعل اور خیال سے اقلیتوں کو یہ تاثر دیں کہ وہ جب تک پاکستان کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں گے، اس وقت تک انہیں کسی قسم کا خوف نہیں۔"

(قوم کے نام پیغام' 15 اگست 1947ء)

''میں آپ سے اب جس بات کا تقاضا کرتا ہوں' وہ یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک، جس کے پاس یہ پیغام پہنچ جائے' وہ اپنے آپ سے یہ پختہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے اندرونی اور بیرونی امن کی حامل عظیم ترین قوم بنانے کے لیے ہر ممکن قربانی کے لیے تیار رہے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ بلند ہمت رہیں۔ آپ موت سے نہ ڈریں کیونکہ ہمارا دین ہمیں ہمیشہ موت کے لیے تیار رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لیے ہمیں موت کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ مسلمان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی نجات نہیں کہ وہ ایک نیک مقصد کی خاطر شہید کی حیثیت سے جان دے دے۔''

(لاہور میں تقریر' 30 اکتوبر 1947ء)

خارجہ امور

''پاکستان کی خارجہ پالیسی تمام قوموں کے ساتھ بے حد دوستانہ ہوگی۔ ہم امنِ عالم کے حامی ہیں' اس لیے اس ضمن میں ہم حتی المقدور اپنا حصہ ڈالیں گے۔''

(نئی دہلی میں پریس کانفرنس' 14 جولائی 1947ء)

''ہمارا مقصد اندرونی اور بیرونی امن ہونا چاہیے۔ ہم اپنے نزدیک ترین ہمسایوں اور باقی دنیا کے ساتھ پر امن زندگی بسر کرنے اور ان کے ساتھ پر جوش اور دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم کسی کے خلاف بھی جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی حمایت کرتے ہوئے عالمی امن اور خوشحالی میں بخوبی اپنا حصہ ڈالیں گے۔''

(قوم کے نام پیغام' 15 اگست 1947ء)

سرکاری ملازمین

''ہم یہاں کسی چھوٹے یا بڑے کی تمیز کے بغیر مملکت کے ملازمین کی حیثیت سے مل رہے ہیں تا کہ ہم اپنے عوام اور ملک کے مفادات کو فروغ دینے کے ذرائع پر غور وفکر کر سکیں۔ اب پاکستان کی بالکل خودمختار اور آزاد حکومت عوام کے ہاتھوں میں ہے..... ہمارا موجودہ عارضی آئین افسر شاہی یا جبر یا آمریت پر نہیں بلکہ جمہوریت کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ آپ افسران کو ان اصولوں کو ذہن میں رکھنے کا احساس کرنا چاہیے..... اگر آپ پاکستان کو اقوامِ عالم میں ایک عظیم ملک بنانے کے خواہاں ہیں تو پھر آپ کو حتی الامکان اپنے عیش وعشرت کو فراموش کرنا ہوگا۔ مزید برآں آپ کو اپنی تفویض شدہ ملازمت کو سرانجام دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت اور کام درکار ہوگا ..... آپ دیانتداری اور خلوص کے ساتھ کام کریں اور حکومتِ پاکستان کے وفادار رہیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس دنیا میں آپ کے ضمیر سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں۔ جب آپ خدا کے حضور پیش ہوں تو اس وقت آپ کہہ سکیں کہ ہم نے اپنے فرض کو دیانتداری، ایمانداری اور وفاداری کے عظیم ترین احساس کے ساتھ ادا کیا تھا۔ اب یہ سب کچھ آپ کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ اسے مقدس امانت سمجھتے ہوئے آپ اپنی توانائیوں اور عزمِ راسخ کو دوگنا کر دیں۔ ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔''

(بلوچستان کے سرکاری ملازمین سے خطاب' 14 فروری 1948ء)

VII

قائداعظمؒ اور عالمِ اسلام

ملی اخوت ویگانگت

''خواہ یہ میسور ہو یا دنیا کا کوئی کونہ' مسلمانوں کے درمیان ملی یگانگت، قومی عزت اور محبت موجود ہوتی ہے۔فرزندانِ اسلام جغرافیائی حدود سے ناآشنا ہیں''۔

(مسلم لیگ ریاستِ میسور کے اجلاس میں تقریر' جون 1941ء)

قرآن وحدیث میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور محبت کے بارے میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے ملتِ اسلامیہ کے افراد کو آپس میں متحد اور منظم رہنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس میں ان کے غلبہ، قوت، اتحاد، عزت اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔نا اتفاقی سے نہ صرف ملی شیرازہ بکھر جاتا ہے بلکہ افراد کی بھی کوئی عزت واہمیت باقی نہیں رہتی۔ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (سورۃ الانفال' آیت 46) (اورتم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو۔تم اگر ایسا کرو گے تو پھر تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)۔اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''کُوْنُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ''(بخاری)(تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ)۔باہمی اخوت ومحبت سے ہی قوموں نے ترقی پائی ہے۔

بقول اقبالؒ ؎

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

قائداعظمؒ نے بجا کہا ہے کہ اسلام وطن پرستی سے آشنا نہیں کیونکہ یہ تو عالمگیر بھائی چارے، پیغامِ صداقت، وسیع ترین انسانی مساوات، وحدتِ انسانیت اور آفاقی اقدار کا علمبردار ہے۔ وطن پرستی اور وطن کی جائز محبت میں فرق ہے۔ جب وطن کو بت بنا کر اس کی پوجا کی جاتی ہے تو پھر یہ محدود نظریہ آفاقی وحدتِ انسانیت اور عالمگیر اقدارِ حیات کا سخت دشمن بن جاتا ہے۔ وطن اور قوم کی اندھی محبت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کمزور ملکوں اور قوموں کو اپنا غلام بنانے اور انہیں لوٹنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور بے بس و مظلوم انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ اس طرح عالمی امن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہر امن پسند اور محبِ انسانیت ایسے نظامِ سیاست کو ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔ بدقسمتی سے مسلمان ممالک بھی اسی نظریۂ وطنیت کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اقبال نے انہیں یہ پیغام دیتے ہوئے بجا کہا تھا ؎

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لیے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو دل و جان سے ماننے والا اسلام کی حفاظت اور بقا کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے آمادہ ہو جائے گا کیونکہ اسلامی قومیت کی بنیاد عقیدۂ توحید اور رسالتِ محمدی ﷺ ہی تو ہے۔

کشمیر

''میں امید کرتا ہوں کہ کشمیر کے مہاراجہ اور وزیرِ اعظم کو تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا احساس کرنا ہوگا۔ دانش مندی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ 80فیصد آبادی رکھنے والے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو مجروح کرنا تو درکنار انہیں نظر انداز بھی نہ کیا جائے۔

کشمیر کے مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے والا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کشمیر پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں شامل ہوگا یا نہیں۔ میں نے ایک سے زیادہ مواقع پر پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ہندوستانی ریاستیں، پاکستان قانون ساز اسمبلی یا ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار کرنے یا غیر جانبدار رہنے میں آزاد ہیں۔ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجہ اور حکومتِ کشمیر اس مسئلے پر بہت زیادہ توجہ دیں گے اور نہ صرف حاکم بلکہ اس کی عوام کے مفادات کا بھی احساس کریں گے۔

(پریس میں بیان' 11 جولائی 1947ء)

فلسطین

''برصغیر کے مسلمان واضح طور پر ریاست ہائے متحدہ یا کسی اور ملک کی مخاصمت لینے سے گریزاں ہیں مگر ہمارا احساسِ عدل و انصاف ہمیں ہر دستیاب انداز میں عربوں کے نصب العین کی امداد کرنے پر مجبور کرتا ہے۔''

(بی بی سی کے نامہ نگار کو انٹرویو' 19 دسمبر 1947ء)

بھارت کے مسلمان

''انڈیا کی مسلم اقلیت اور ان کے رہنماؤں کو میں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ انہیں اپنی ہی منتخب قیادت کے تحت اپنے آپ کو ضرور منظم کرنا چاہیے تا کہ وہ لاکھوں مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے بہت عظیم کردار ادا کر سکیں ..... انڈیا کی مسلم اقلیت نے پاکستان کے حصول اور قیام کے بارے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ ان خطرات سے بخوبی آگاہ تھے کہ انہیں ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت سے رہنا ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپنی خودداری اور عزت کو کھودیں ..... کسی کو بھی اس بات کا پہلے سے علم نہیں تھا کہ انڈیا کے طاقتور حلقے مسلمانوں کو ظلم وستم کر کے صفحۂ ہستی سے نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے خوب سوچا سمجھا منصوبہ بنا رکھا ہے ..... ہم ان مسلمانوں کی بہبود اور ان کے مستقبل کے بارے میں مضطرب ہیں اور انہیں درپیش اس خطرے کو روکنے کے لیے ہم اپنی طاقت کے مطابق ہر چیز کریں گے۔''

(رائٹر کے نامہ نگار کو انٹرویو 25 اکتوبر 1947ء)

''(اے اہلِ پاکستان!) اب آپ کا کام اپنے ان مصیبت زدہ اور بدقسمت بھائیوں کی بحالی ہے جو یا تو ہم سے آملے ہیں یا وہ ابھی ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ وہ اس دنیا میں اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ اب کم از کم ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ہی بھائیوں کی طرح ان کا خیر مقدم کریں۔ کسی بھی مہذب اور عقلمند انسان کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ کوئی ایسا ناگوار بوجھ ہیں جو ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے۔ حیوانیت اور ظلم وستم کا ہدف بننے والے ان مظلومین کی امداد کے لیے ہم حتی

الوسع مالی قربانی کر سکتے ہیں۔ انہیں یہ ساری تکالیف اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں''۔

(لاہور میں تقریر' 30 اکتوبر 1947ء)

ہندوراج کی مخالفت

''ہندوستان کے مسلمان کسی ایسے آئین کو تسلیم نہیں کریں گے جس کا لازمی نتیجہ ہندوؤں کی اکثریت پر مبنی حکومت ہو۔ اقلیتوں پر زبردستی ٹھونسے گئے جمہوری نظام کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کرنے کا مطلب ہندوراج ہی ہو سکتا ہے۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں صدارتی خطاب' 23 مارچ 1940ء)

''میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ ہم ہندو جماعت یا کسی اور چھوٹی جماعت کو ہڑپ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن ہم ان کے سامنے گھٹنے ٹیکیں گے اور نہ اس برصغیر میں ان کے راج اور غلبے کو قبول کریں گے۔''

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ناگپور کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطاب' 26 دسمبر 1941ء)

''کانگریس کی ساری پالیسی یہ رہی ہے کہ برطانوی راج سے ہندو راج کی طرف اقتدار منتقل کیا جانا چاہیے ..... لیکن ہم ہندوؤں کو ہرگز اپنے پر حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ صوبائی حکومت میں ہمیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مقامی حالات میں ہندو غلبے کا مطلب مسلمانوں پر ظلم وستم ہے۔ ہندو ہم پر اپنے نظریات اور ثقافت ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہماری زبان کی بیخ کنی کے لیے بھی سعی کرتے ہیں۔''

(بمبئی میں ڈیلی ہیرلڈ آف لندن سے خصوصی انٹرویو' 14 اگست 1942ء)

”مسٹر گاندھی کا واحد مقصد انڈیا کے ہندوؤں کا احیائے نو اور برٹش راج کے قانونی ورثا اور نمائندوں کی حیثیت سے سارے انڈین برصغیر پر ہندوراج کا قیام ہے۔وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان پست رہیں اور ہندوؤں کی غلامی میں آ جائیں۔“

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر، 2نومبر 1942ء)

اس سے پہلے ہم پڑھ چکے ہیں کہ قائد اعظمؒ کی رائے میں متحدہ انڈین قومیت کے تصور پر مبنی اور انگریزوں اور ہندو رہنماؤں کے مجوزہ آئینی نظام اور اس کے تحت وفاقی، مرکزی، متحدہ اور جمہوری طرز حکومت اسلامیانِ ہند کے لیے ہرگز مفید ثابت نہیں ۔آپ دور اندیش اور ذہین سیاسی رہنما کے طور پر اس حقیقت کو بھانپ گئے تھے کہ یہ سارے دستوری قوانین، ہندو اکثریت کے مفادات کے ضامن ہوں گے مگر مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کا خون ہو جائے گا۔ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے ان تمام طرز ہائے حکومت اور آئینی شکلوں کو قبول نہ کیا۔آپ کے خیال میں یہ تمام نظام ہندوراج کے قیام اور مسلمانوں کی پستی، غلامی اور ان کی ثقافتی موت کے موجب بن سکتے تھے۔اس ہندوراج کی تردید میں آپ نے جن ٹھوس دلائل سے کام لیا' ان کا خلاصہ یہ ہے:-

(ا) ہندوؤں کی اکثریت پر مبنی تمام نظامہائے سیاست ہمیں قبول نہیں کیونکہ ہر شعبۂ حیات میں ان کی کثرتِ رائے کے مطابق جو فیصلے کیے جائیں گے' وہ مسلمانوں کے مفادات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں گے۔اس بات کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان کم تعداد اور کھٹے کی وجہ سے ہمیشہ ان کے رحم وکرم پر ہوں گے۔

(ب) مروّجہ جمہوری نظام چونکہ کثرتِ رائے کی حمایت کرتا ہے' اس لیے اسلامیانِ ہند ہندو حکومت کا شکار ہو جائیں گے۔

(ج) مسلمان انڈیا کی سب قوموں کی آزادی کے حق میں ہیں۔ وہ کسی جماعت کو نہ تو غلام بنانے کے خواہاں ہیں اور نہ ہی ان کو ہڑپ کرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔

(د) کانگریس کی ساری پالیسیوں کا محور انتقالِ اقتدار کے ذریعے ہندو راج کا قیام رہا ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ انگریز کے ہاتھوں سے حکومت نکل کر ان کے ہاتھ میں آ جائے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق حکومت کریں اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے پست اور غلام بنا دیں۔

(ہ) ایم۔ کے۔ گاندھی بڑی سادگی اور پرکاری سے ہندو کلچر اور ہندو ثقافت کو از سرِ نو زندہ کرنے اور انگریزوں سے حکومت پانے کے بعد مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے کوشاں تھے۔

(و) ہندو راج کے قیام کے لیے ہندو رہنما وفاقی، مرکزی، جمہوری اور متحدہ نظامِ حکومت کی زبردست حمایت کر رہے تھے کیونکہ وہ اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر مسندِ اقتدار سنبھال سکتے تھے۔

قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے اپنی ایمانی فراست، دور اندیشی اور سیاسی تجربے سے کام لیتے ہوئے ایم۔ کے گاندھی اور دیگر رہنماؤں کی مکاری، خودغرضی، تنگ نظری اور اسلام دشمنی کا پردہ چاک کیا اور ان کی ابلیسی سیاست کے دام میں نہ آئے۔ آپ نے انگریزوں پر بھی یہ بات واضح کر دی کہ انڈین متحدہ قومیت ایک سراب سے زیادہ اور کچھ نہیں کیونکہ ہندو اور مسلمان دو مختلف نظریہ ہائے حیات اور مذہبی اقدار کے ترجمان اور حامی ہیں۔ قائد اعظمؒ کی اس ساری تگ و دو کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ اسلامیانِ ہند کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں جانے سے بچایا جائے اور اسلامی ثقافت اور اسلامی تشخص کی بھرپور حفاظت کی جائے۔ اس مردِ مجاہد کو بیک

وقت تین محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک طرف تو آپ ہندو رہنماؤں سے برسرِ پیکار تھے، دوسری طرف انگریزوں کی مکارانہ سیاست کا بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے اور تیسرے محاذ پر آپ کو اپنے سادہ لوح مسلمانوں اور دشمنوں کے آلۂ کاروں سے بھی واسطہ تھا جو مطالبۂ پاکستان کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ ان سب رکاوٹوں اور پریشانیوں کے علاوہ آپ کو اپنے قافلۂ سخت جاں کو بھی منظم اور مضبوط بنانا تھا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آپ مسلمانوں کی آزادی، ان کی بقا اور ان کے اسلامی تشخص کی حفاظت اور قیامِ پاکستان کے لیے بڑی جاں نثاری سے کام کر رہے تھے۔ اگر آپ کی اس جدوجہد کا مقصد اسلامی فکر اور اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ نہ ہوتا تو آپ ہرگز ہندو راج کے قیام کے اتنے شدید مخالف اور سخت ناقد نہ ہوتے اور نہ ہی اسلامی شناخت کو بچانے کے لیے اتنی تندہی اور دماغ سوزی سے کام لیتے۔ آپ کو بے دین سیاست کا علمبردار کہنے والوں کو تعصب اور بدنیتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ متعصب تاریخی تحقیق پسندوں کو بھی اپنی غلط فکر کا قبلہ درست کرنے کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے ۔

اے اہلِ نظر! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

(اقبالؒ)

مسلمانانِ عصرِ حاضر

"آیئے سنجیدگی سے عہد کریں کہ ہم اسلامی ورثے کی روشنی کے مطابق دنیا کے موجودہ اور آئندہ نئے نظام میں اپنے جائز مقام کو قائم رکھیں گے۔"

(عید الفطر کے موقع پر پیغام، اکتوبر 1942ء)

قائداعظمؒ کو قدرت نے بہت زیادہ سیاسی بصیرت عطا فرمائی تھی جس کی بنا پر آپ نہ صرف موجودہ حالات کا بخوبی ادراک کر سکتے تھے بلکہ آنے والے واقعات اور بحرانوں کا بھی دیدۂ باطن سے مشاہدہ کر لیتے تھے۔ وہ سیاستدان ہی کیا ہے جو اپنے عہد کے اہم اور تاریخ ساز واقعات کا درست تجزیہ نہ کر سکے۔ قیامِ پاکستان سے پیشتر کے سیاسی حالات نے اسلامیانِ ہند کو مختلف مسائل سے دوچار کر رکھا تھا۔ بہت سے ہمدرد، مخلص اور ملتِ اسلامیہ کے بہی خواہوں نے اپنے اپنے اندازِ فکر کے مطابق انہیں منزلِ نجات اور راہِ آزادی سے روشناس کرانے کی حتی المقدور کوششیں کی تھیں۔ وہ سب ہمارے مصلح اور محسن تھے۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناحؒ نے بھی اپنی صوابدید اور سیاسی بصیرت کے مطابق اسلامیانِ ہند کی فلاح و خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کی سیاسی سرگرمیوں اور اصلاحِ ملت کی مساعی کا بنیادی طور پر محور و مرکز اسلامی نظریۂ حیات ہی رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ نے زیادہ تر وہ زبان استعمال نہیں کی جس کا عمومی تعلق لچھے دار تقریروں اور دقیق مذہبی اصطلاحات سے ہوتا ہے۔ زبان تو اظہارِ خیال وجذبہ کا ایک ذریعہ ہے۔ اصل بات تو افکار و نظریات کی پختگی، کردار کی پاکیزگی، عقائد کی درستگی، خلوصِ نیت، صحیح خدمتِ خلق اور اصلاحِ قوم ہونی چاہیے۔ قائداعظمؒ انہی صفات کی بنا پر عوام کے محبوب سیاسی راہنما بن گئے تھے۔

قائداعظمؒ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں جن اہم امور کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے وہ یہ ہیں:۔

(i) موجودہ اور آئندہ عالمی معاملات میں اپنے جائز مقام کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی ورثے کی روشنی میں عزم بالجزم سے کام لینا۔

(ب) تاریخ کے موجودہ عظیم ترین بحران میں اسلام اور مسلمانوں کا کردار۔

(ج) مستقبل میں عالمی امن کے قیام کے لیے اجتماعی مصمم ارادے کی ضرورت۔

سوال یہ ہے کہ گزشتہ اور آئندہ حالاتِ جہاں میں مسلمانوں کے جائز مقام کا اسلامی ورثے سے کیا تعلق رہا ہے اور آئندہ اس کردار کی کیا نوعیت ہوگی۔ اس امر کو جاننے کے لیے ہمیں تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی سابقہ شاندار روایات، ان کی فکری، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی مساعی کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ایک بین الاقوامی انقلابی اور انسانیت ساز دین ہے جس نے اپنے سچے پیروکاروں کے اندر انسانی وحدت، مساوات، اخوت، وسعتِ نظر، رواداری، خدمتِ خلق، مظلوموں کی حمایت، تسخیرِ انفس و آفاق، عدل و انصاف، ہمہ گیر، محبت، بہترین تہذیبی اقدار، تبلیغِ حق، امن دوستی، نیکی کے فروغ اور بدی کے انسداد، میانہ روی اور دیگر صفاتِ حسنہ کے جذبات اور افکار پیدا کر دیے تھے۔ یہی اسلامی ورثہ ہے جس کی طرف قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم کی چند آیات کا حوالہ دینا بے محل نہ ہوگا۔ قرآن نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے اور بدی اور گناہ کے امور سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے:-

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

(سورۃ المائدہ، آیت 2) (تم نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو)۔

خدا نے انہیں بہترین امت قرار دیتے ہوئے نیکی کے فروغ اور بدی کی ممانعت کا یہ حکم دیا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْکَرِ (سورۃ آل عمران' آیت 110)(تم بہترین امت کے افراد ہو تمہیں اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے منع کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے)۔ یہی وہ کردار ہے جس کی اسلام نے اپنے حقیقی متبعین کو بار بار تلقین کی ہے۔علامہ اقبالؒ نے اس اسلامی ورثے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

مومنے بالائے ہر بالا ترے
برنتابد ہمت اُو ہمسرے

(مومن تو ہر بالا انسان سے بلند تر ہے۔ اس کی ہمت کسی ہم مرتبہ کو گوارا نہیں کرتی)۔

اسلام وہ سانچہ ہے جس میں فوق البشر ڈھلتے ہیں۔وہ دیگر اقوامِ عالم کے لیے دنیا میں بھی میزان ہے اور آخرت میں بھی ۔قائد اعظمؒ کی نگاہ میں بھی مسلمانوں کا یہی جائز مقام ہے کہ وہ عالمی حالات میں اسی اسلامی ورثے کے امین بن کر اپنا موثر کردار ادا کریں۔بقول اقبالؒ۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے موجودہ دور کے مسلمانوں کو کام کرنا ہوگا نیز عالمی امن کے قیام کے لیے بھی بہترین انداز میں انہیں مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہو گی۔قرآن نے ہمیں بار بار فتنہ وفساد کو روکنے اور دنیا میں پائیدار اور حقیقی امن قائم

کرنے کا حکم دیا ہے ؎

باز در عالم بیار ایام صلح
جنگ جو یاں را بدہ پیغام صلح

(اقبالؒ)

(اے مسلمان!) تو پھر دنیا میں صلح کا زمانہ لے آ اور جنگ چاہنے والوں کو صلح و امن کا پیغام دے۔

طلبہ سے توقعات

''پاکستان اپنے نوجوانوں خصوصاً اُن طلبہ پر فخر کرتا ہے جو ہمیشہ آزمائش اور ضرورت کی ساعت میں صفِ اوّل میں رہے ہیں۔ آپ مستقبل کے قومی معمار ہیں۔ آپ کو آئندہ پیش آنے والے مشکل کام کے لیے خود کو نظم و ضبط، تعلیم اور تربیت سے پوری طرح مستعد رکھنا چاہیے''۔

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے لاہور میں خطاب' 31 اکتوبر 1947ء)

VIII

قائداعظمؒ اور اسلامی ہند کی قیادت

قائداعظمؒ اگر سیکولر ہوتے تو نہ مسلم لیگ میں شامل ہوتے اور نہ ہی اسے اسلامیانِ ہند کی سب سے بڑی اور طاقتور جماعت بنانے کا کارنامہ سرانجام دیتے۔ ان کے دور کی مسلم لیگ جن خصوصیات کی حامل تھی' اس کا ایک سرسری خاکہ پیش خدمت ہے:-

مسلم لیگ کے بنیادی اصول

''مسلم لیگ آزادی حاصل کرنے کا پکا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ یہ آزادی نہ صرف طاقتور اور غالب لوگوں کے لیے ہوگی بلکہ یہ کمزوروں اور مظلوموں کے لیے بھی ہوگی۔''

(مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ میں تقریر' 5 فروری 1938ء)

''ہم اس سرزمین میں آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

(صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کے لیے پیغام' 26، 27 مئی 1940ء)

''ہماری تنظیم کے لیے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے۔ اگر وہ غدار یا وطن دشمن ہو تو اس کو پارٹی سے نکال دینا چاہیے۔ غدار افراد کے اس طبقے کا استحصال کر کے ہم زیادہ عزت و آبرو اور مزید طاقت کے ذریعے آگے بڑھیں گے۔''

(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، ناگپور کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطبہ' 2 دسمبر 1941ء)

"مسلم لیگ وزیروں اور وزارتوں کے لیے زندہ نہیں ہے۔اس کے برعکس وزراء اور وزارتوں کا وجود مسلم لیگ کی قبولیت اور منظوری پر منحصر ہے ..... ہم کسی کو اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ وزیر بننے کی غرض سے مسلم لیگ کو ناجائز طور پر استعمال کرے اور اپنے ذاتی مقصد کے زینے کے لیے مسلم لیگ سے فائدہ اٹھائے۔"

(بنگال صوبائی مسلم لیگ کانفرنس،سراج گنج میں صدارتی خطبہ صدارت'15فروری 1942ء)

"ایسا نہیں ہے کہ ہم وزارتوں کے لیے قربانیاں دینے کے لیے تیار اور رضامند ہیں بلکہ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وزارتیں ہمارے لیے قربانیاں دیں۔۔۔۔اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس وزارت سے اپنی حمایت روکنے میں پس و پیش نہ کریں جو مسلم لیگ کے اصولوں پر نہیں چلتی۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی کے اجلاس میں صدارتی خطبہ'23مارچ 1940ء)

"اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آپ آگے بڑھیں اور عوام کو اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح ہر کوئی آپ کی طاقت کا لوہا مان لے گا۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ، لاہور کے اجلاس میں صدارتی خطبہ'23مارچ 1940ء)

"آل انڈیا مسلم لیگ اب زندہ رہنے اور..... انڈین سیاست کی دنیا میں جائز کردار ادا کرنے کے لیے بنی ہے۔"

(آل انڈیا مسلم لیگ لکھنؤ اجلاس میں صدارتی خطاب' اکتوبر 1937ء)

"آل انڈیا مسلم لیگ یقینی طور پر مسلمانوں اور اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا موثر انداز میں تحفظ کرنے کی حامی ہے۔یہ چیز مسلم لیگ کا بنیادی اور اہم اصول ہے۔"

(ایضاً' اکتوبر 1937ء)

''مسلمانوں اور مسلم لیگ کی واحد حلیف صرف ملّتِ اسلامیہ ہے اور اس بارے میں مسلمان صرف خدائے واحد کی نصرت کے منتظر ہیں۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ، پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں خطبہ صدارت' 26 دسمبر 1938ء)

''یاد رکھیں مسلم لیگ سب مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہ آپ کی اپنی تنظیم ہے .... مسلم لیگ سے باہر رہ کر اس پر تنقید کرنا بے کار ہے۔ اس میں شامل ہو کر اس کی خامیوں کو درست کیجئے ..... میں ہر ایک سے اس میں شامل ہونے کی اپیل کرتا ہوں۔ یہ آپ کی اپنی جماعت ہے' کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں۔''

(ایضاً' 26 دسمبر 1938ء)

مسلم لیگ کا بنیادی اصول اور مقصد انڈیا کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مرتبے کا تحفظ کرنا ہے...... ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔''

(بنگال صوبائی مسلم لیگ کانفرنس، سراج گنج کے اجلاس میں صدارتی خطاب' 15 فروری 1942ء)

''مسلم لیگ یہاں آزاد اور خودمختار اسلام کی حمایت کرتی ہے۔''

(عثمانیہ یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سالانہ عشائیہ میں تقریر' 28 ستمبر 1939ء)

''اگر آپ زندہ رہنے اور اپنی متاعِ عزیز یعنی اسلام کے قیمتی ورثے کو برقرار رکھنے کے خواہاں ہیں تو پھر آپ عہد کرلیں اور کام شروع کر دیں' اور کام کریں اور مسلم لیگ کو منظم کریں''۔

(مسلم یونیورسٹی یونین، علی گڑھ کے اجلاس میں تقریر' 2 نومبر 1942ء)

''آیئے ہم اپنے لوگوں کی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور اخلاقی بہبود اور ترقی پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ آیئے ہم اپنی اجتماعی فلاح کے لیے کام کرنے والے رہنماؤں کے ساتھ تعاون کریں۔''

(یوم قرارداد پاکستان پر پیغام' 23 مارچ 1943ء)

''ہمارا نعرہ یہ ہونا چاہیے: ایمان، اتحاد اور نظم''

(مسلمانان ہند کے نام عید کے موقع پر پیغام' اکتوبر 1941ء)

غریبوں کی جماعت

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی مسلم لیگ انگریزوں اور ہندوؤں کی بالادستی ختم کر کے ایک جداگانہ، خودمختار اور آزاد مملکت کے قیام کی خواہاں تھی۔ آپ کی مسلم لیگ کا تصورِ آزادی یہ تھا کہ یہ آزادی سب مسلمانوں کے لیے ہوگی نہ کہ صرف طاقتور اور غالب جماعت یا گروہ کے لیے۔ قائد اعظمؒ نے ببانگِ دہل یہ اعلان کیا تھا کہ یہ آزاد مملکت کمزوروں اور مظلوموں کے حقوق کی بھی محافظ ہوگی۔ صحیح اسلامی فکر بھی یہی ہے کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی دولت، منصب، اقتدار، قبائلی و نسلی امتیاز، خاندانی برتری یا سرمایہ و زمین کا سہارا لے کر دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنائے یا ان کا استحصال کرے۔ قرآنِ حکیم نے تو رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ انسانیت ساز انقلابی پیغام دیا تھا: ''مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''(سورۃ آل عمران، آیت 79) (کسی کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ نے اسے کتاب، حکم اور نبوت دی ہو پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر

میرے غلام بن جاؤ)۔خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔وہ صرف خدا کا ہی غلام ہے نہ کہ کسی انسان کا۔ جب کوئی انسان دوسروں کو اپنا غلام بنا لے تو پھر غلامی انسانوں کے لیے بہت بڑی لعنت ثابت ہوتی ہے۔قائد اعظمؒ نے درست کہا تھا کہ مسلم لیگ صرف اس آزادی کی حامی ہے جو سب کے لیے ہو نہ کہ کسی مخصوص خاندان یا گروہ کے لیے۔آپ کے تصورِ آزادی میں کمزوروں اور مظلوموں کے حقوق کی حفاظت بھی شامل تھی۔ جب مسلم لیگ نے اپنے قائد کے اس تصور کو چھوڑ دیا تو حکومت نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

قائد اعظمؒ کی محبوب سیاسی جماعت، آل انڈیا مسلم لیگ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے ارکان کو وزیر بنانے یا ان کے ذاتی مفادات کی تکمیل کے لیے استعمال ہونے کے لیے نہیں تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ عوام الناس کی خدمت، ملک کی ترقی اور ملت کی سرفرازی کا ذریعہ تھی۔ جو جماعت محض عہدوں اور دولت کے حصول اور اپنے ارکان کے ذاتی مفادات کے تحفظ کا سبب بن جائے وہ بہت جلد عوام کی نظروں سے گر جاتی ہے۔مزید برآں یہ ارکان کی باہمی ریشہ دوانیوں، مخاصموں اور اقتدار کی کھینچا تانی کا ہدف بن کر خود ہی ختم ہو جایا کرتی ہے۔ اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قائد اعظمؒ نے بجا کہا تھا کہ ان کی مسلم لیگ وزارتوں کی بندر بانٹ، ذاتی مفادات کے تحفظ اور عوام کے استحصال کے لیے نہیں ہے۔اسلام کی نظر میں کوئی عہدہ یا منصب بہت بڑی ذمہ داری پر دلالت کرتا ہے۔ آخرت میں ہر انسان کو اپنے اچھے یا برے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔حاکم، سردار، رہنما اور منصبِ عالیہ پر فائز ہونے والے سے نہ صرف اس کے ذاتی اعمال کا حساب لیا جائے گا بلکہ اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں بھی اس کی مسئولیت ہو

گی جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے" آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ (بخاری و مسلم) بلند منصب پر فائز ہونے والے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کی سرگرمیوں وغیرہ کے متعلق قیامت کے دن پوچھا جائے گا.....سیاست کو محض ذاتی منفعت اور زر اندوزی کا ذریعہ بنانے والے حاکموں، سیاستدانوں اور آقاؤں کے کندھوں پر کتنا بڑا بوجھ پڑ جاتا ہے اگر وہ اس امر کا بخوبی احساس کرلیں تو بھاگ بھاگ کر عہدوں اور وزارتوں کو حاصل کرنے کی سعی نہ کریں۔

قائداعظمؒ کی مسلم لیگ کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ اپنے کارکنان کو اسلام کے خادموں کی حیثیت سے یہ درس دیتی تھی کہ وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے انہیں سماجی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کریں۔ اس نقطۂ نگاہ سے آپ کی جماعت محض سیاسی آزادی کے لیے نہیں بلکہ یہ عوام کے دیگر مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی تھی۔ آپ اسے وسیع بنیاد کی حامل تنظیم دیکھنے کے آرزومند تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بانی پاکستان کو اپنے ایک خط مؤرخہ 28 مئی 1937ء میں لکھا تھا کہ جب تک مسلم لیگ عوام کی غربت اور افلاس کے پریشان کن مسئلے کا پروگرام نہیں رکھے گی یہ اس وقت تک عوام میں مقبولیت کا باعث نہیں بن سکتی۔ علامہ اقبالؒ کے حکیمانہ الفاظ یہ تھے:-

"The League will have to finally decide whether it will remain a body representing the upper classes of Indian Muslims or Muslim masses .... Personally I believe that a political organization which gives no promise of improving the lot of the average Muslim cannot attract our masses."

اسلامی تعلیمات نے عام انسانوں خصوصاً مظلوموں، زیردستوں اور غریبوں کی حالت کو سنوارنے پر بہت زور دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو خدائی کنبہ قرار دے کر انسانوں سے محبت، رواداری اور خدمتِ خلق کی تعلیم دی تھی۔

اقلیتوں کی محافظ

قائداعظمؒ کی اس ہر دلعزیز سیاسی تنظیم کا بنیادی اور اہم اصول مسلمانوں کے ساتھ ساتھ آزاد پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا موثر تحفظ بھی تھا۔ آپ نے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی مسلم لیگ کی اس ذمہ داری کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ آپ کو پوری امید تھی کہ ان کے ساتھی سیاستدان اور جانشین آئندہ تشکیل پانے والی اسلامی مملکت میں تمام انسانوں کے حقوق اور مفادات کی بخوبی حفاظت کریں گے۔ اسلامی نظریۂ سیاست کی رو سے غیر مسلم شہری اسلامی مملکت میں ان تمام سہولتوں اور سرکاری خدمات کے حق دار ہیں جو مسلمان شہریوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہبی طریق کے مطابق آزادی کے ساتھ عبادت کر سکیں گے۔ اس مملکت کی بڑی ذمہ داری ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہے۔ اگر کسی غیر مسلم شہری کو قتل کیا جاتا ہے تو اس کے قاتل مسلمان کو یا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا یا مقتول کے ورثا خون بہا لے سکیں گے۔ ان کے معذور، بیکار اور بوڑھے لوگوں کے لیے بھی بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ اس طرح ان کے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار ہوگی۔ قرآن مسلمانوں کو اس قدر رواداری کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ ارشادِ ربانی ہے: ”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ

یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ''(سورہ الانعام، آیت 108) (اورتم ان لوگوں کوگالی نہ دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں)۔ اسلام ہمیں دوسروں کی مذہبی دل آزاری سے منع کرتا ہے۔ مسلمان بھی یہ توقع کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ غیر مسلم بھی اسلام، خدا اور ہمارے پیارے رسول ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کر کے ہماری دل آزاری نہیں کریں گے۔

ملّتِ اسلامیہ کی حلیف

برصغیر پاک وہند کے یہ مسلم سیاستدان بے حد ذہین، دور اندیش، مخلص اور اسلام دوست تھے۔ انہیں یہ حقیقت بخوبی معلوم تھی کہ ان کی مسلم لیگ کی عام حکمتِ عملی اور خارجہ پالیسی کا ایک اہم پہلو ملتِ اسلامیہ کو اپنا حلیف بنانا ہے جو بے شمار فوائد کا حامل ہوگا۔ اس لیے وہ مسلم ممالک کے ساتھ بہت مستحکم برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے آرزومند تھے۔ ان کی چشمِ بصیرت نے بھانپ لیا تھا کہ پاکستان کی تقدیر عالمِ اسلام کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ غیر مسلم اقوام سے انہیں یہ امید نہیں تھی کہ وہ مسلم ممالک کی آزادی اور ان کی طاقتِ رفتہ کی بحالی کو بہ دل و جان قبول کرتے رہیں گے۔ قرآنِ حکیم نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو باہمی اتحاد کا حکم دیتے ہوئے کہا تھا:-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران، آیت 103)۔ (اورتم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ)۔

قرآن نے انہیں دوسرا سبق یہ دیا تھا کہ وہ سب آپس میں بھائی بھائی بن کر محبت سے رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ''(سورہ الحجرات، آیت 10) (بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ اسلام نے اس طرح

اپنے ماننے والوں کو عالمگیر اتحاد اور آفاقی اخوت کا درس دیا تھا تاکہ وہ باہم متحد، منظم، طاقتور اور غالب رہیں۔ قائد اعظمؒ نے اسی اسلامی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کو مسلمانوں اور مسلم لیگ کی حلیف کہا ہے۔ آپ کے فلسفۂ سیاست کا یہ بھی ایک حسین پہلو ہے۔ دنیا کے موجودہ حالات مسلمانانِ عالم کے لیے ایک چیلنج بن رہے ہیں۔ اگر وہ اب بھی خوابِ گراں سے بیدار نہ ہوئے تو پھر خدا جانے ان کا کیا حشر ہوگا۔ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر انہیں آج بھی دعوت بیداری دے رہا ہے ؎

معمارِ حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

دو قومی نظریہ کی علمبردار

بانی پاکستان کی مسلم لیگ کے بنیادی اصول اور مقصد کا ایک جزو انڈیا کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مرتبے کا تحفظ کرنا بھی تھا۔ آپ متحدہ انڈین قومیت کے قائل نہیں تھے کیونکہ آپ انڈیا کے کروڑوں مسلمانوں کو اقلیت کے بجائے ایک الگ اور منفرد قوم تصور کرتے تھے۔ آپ کی رائے میں مسلمان الگ نظریۂ حیات اور اس سے پیدا شدہ دیگر سماجی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور مذہبی اختلافات و امتیازات کی رو سے ہندوؤں سے جداگانہ شناخت رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ انڈین متحدہ قومیت میں ضم نہیں ہو سکتے۔ اس لحاظ سے آپ مسلم تصورِ قومیت کی بنیاد پر الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ اس اسلامی قومیت کا سہارا لے کر مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق اور مذہبی تشخص کی حفاظت کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔

قائد اعظمؒ کی اس منطقی دلیل کا سہارا لے کر انڈیا کے مجبور، مظلوم اور محکوم مسلمان بھی اپنے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ اور تابناک بنا

سکتے ہیں۔ بانیِ پاکستان نے اپنے متعدد بیانات اور تقاریر میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ ہم انڈیا میں اپنے بھائیوں کو زیادہ عرصہ تک ہندوؤں کا غلام نہیں رہنے دیں گے۔ بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ رحلت فرما گئے اور آپ کے جانشین یہ کردار ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں آپ کا ایک مقولہ ملاحظہ ہو۔ ''میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنی ذات پر اعتماد کریں اور اپنی تقدیر کو اپنے ہی ہاتھوں میں رکھیں۔''

(آل انڈیا مسلم لیگ، لکھنؤ کے اجلاس میں صدارتی خطبہ، اکتوبر 1937ء)

آزاد اسلامی ریاست کی نقیب

قائداعظمؒ کی مسلم لیگ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کی الگ شناخت کی اساس پر ایک خود مختار اور آزاد اسلامی مملکت کی زبردست حامی تھی۔ آزاد مملکت کے لیے سب سے پہلے ایک الگ خطۂ زمین درکار ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے آئین اور اپنے سیاسی افکار کے مطابق اپنے جملہ امور کو سر انجام دے سکے اور وہ اپنی اندرونی و بیرونی پالیسیوں کو خود وضع کرنے اور نافذ کرنے کا مکمل اختیار رکھتی ہو۔ یہ تو عام آزاد ریاستوں کا اوّلین اور بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست و مملکت کسی غیر اسلامی ماحول میں رہ کر اپنے مذہبی تشخص کو نہ تو صحیح طور پر برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے مکمل نظامِ زندگی کو وہاں نافذ کر سکتی ہے۔ محض عبادات کی ادائیگی کی آزادی اس کے لیے کافی نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اپنے خالص دستورِ حیات میں باطل کی آمیزش کو بھی قبول نہیں کرتی کیونکہ ''آدھا تیتر، آدھا بٹیر'' والا معاملہ اس کے لیے سازگار نہیں ہوتا۔ حق اور باطل اپنے مخصوص اور مختلف نظامہائے سیاست کے اعتبار سے آپس میں ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ بقول اقبالؒ۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

علامہ اقبالؒ نے اپنے خط مؤرخہ 28 مئی 1937ء میں بانی پاکستان کو اپنے اس سیاسی موقف سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا:-

"…. The enforcement and development of the Shariat of Islam is impossible in this country without a free Muslim State or States. This has been my honest conviction for many years and I still believe this to be the only way to solve the problem of bread for Muslims as well as to secure a peaceful India."

قائد اعظم محمد علی جناحؒ علامہ محمد اقبالؒ کے اس موقف سے بالکل متفق تھے۔

اسلامی روایات کی وارث

قائد اعظمؒ کی مسلم لیگ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اسلامیانِ ہند کی متاعِ عزیز یعنی اسلام کے قیمتی ورثے کی بقا کی علمبردار تھی۔ بانی پاکستان کی رائے میں اسلام کے تحفظ میں ہی مسلمانوں کی زندگی کا راز پنہاں ہے۔ آپ نے تمام مسلمانوں کو اور خاص طور پر اپنے کارکنوں اور ساتھیوں پر یہ حقیقت منکشف کر دی تھی کہ قیامِ پاکستان کا ایک اہم اور اساسی مقصد اسلام کی بقا ہے اور اس بقا کے ساتھ اسلامیانِ ہند کی بقا وابستہ ہے۔ آپ کی سیاسی تنظیم مسلم لیگ اس عزیز متاع کی حفاظت اور بقا کے لیے مصروف جدوجہد تھی۔ بانی پاکستان نے مسلمانوں سے یہ پُرخلوص اپیل کی تھی کہ وہ اسلامی فکر کی ترجمان اس جماعت میں داخل ہوں اور اسے زیادہ سے زیادہ منظم کریں۔ آپ مسلم لیگ کو اسلامیانِ ہند کی نجات اور متاعِ اسلام کی حفاظت کے لیے زیادہ سے زیادہ طاقتور، مؤثر اور منظم کرنے کے لیے پوری طرح کوشاں تھے۔ علامہ اقبالؒ نے آپ سے قبل مسلمانانِ ہند کے لیے ایسی ہی جماعت کی اہمیت کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے آپ کے نام اپنے خط مؤرخہ 20 مارچ 1937ء میں یہ تحریر کیا تھا:-

"We must not ignore the fact that the whole

future of Islam as a moral and political force in Asia rests very largely on a complete organization of Indian Muslims".

کسی نظریے کو عملی جامہ پہنانے اور اس پر مبنی سیاسی اور مذہبی نظام کے مؤثر نفاذ کے لیے ایک ایسی جماعت کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے جو اس نظریے کی صداقت پر غیر متزلزل ایمان رکھتی ہو۔ بانی پاکستان اسی لیے اپنی جماعت مسلم لیگ کو منظم کرنے پر پوری توجہ دے رہے تھے۔

فلاحی مملکت کا پرچار

قائداعظمؒ نے اپنے ان الفاظ میں صحیح سیاستدانوں اور رہنماؤں کی ایک اہم قومی، ملکی، اخلاقی اور سماجی ذمہ داری کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے درست کہا ہے کہ انہیں اپنے عوام کی ہمہ جہت ترقی اور فلاح کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اگر ''رہنما'' کے لفظ کے مطلب پر غور کیا جائے تو اس کا بنیادی فرض اپنے عوام اور ملک وقوم کی صحیح منزلِ مقصود کی جانب رہنمائی کرنا ہے۔ سب سے پہلے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی درست منزل کیا ہے اور وہاں تک لوگوں کو لے جانے کے لیے کون سا طریقِ کار بہترین ہوگا۔ اگر اس کے اپنے ذہن میں ہی منزلِ مقصود کا درست شعور نہ ہوگا تو وہ دوسروں کی وہاں تک درست رہنمائی کیونکر کر سکے گا؟ جو خود ہی اندھا ہو وہ دوسروں کو کس طرح راہِ حقیقت دکھا سکے گا؟

او خویشتن گم است کرا رہبری کند (وہ تو خود ہی اپنا راستہ کھو چکا ہے' اس لیے وہ کسی اور کی کیا رہنمائی کرے گا؟) ایسی صورت میں وہ رہنمائی کی بجائے بھٹکا دے گا۔ راہِ راست سے واقف ہونے کے لیے اسے علم وشعور کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جو علم وشعور کی صفت سے عاری ہوگا' اس کی قیادت خاک ہوگی۔ علم ایک ایسا چراغ ہے جو اشیا اور ماحول وواقعات کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے روشنی دینے کا ذریعہ

ہے۔ یہ روشنی نہ صرف اسے اپنی پہچان دے گی بلکہ خالقِ کائنات کا عرفان بھی عطا کرے گی۔ بقول سعدی ؎

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(حصول علم کے لیے انسان کو شمع کی طرح پگھلنا چاہیے کیونکہ بے علم خدا کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا)۔

اگر کوئی سیاسی جماعت اور سیاسی رہنما یا کارکن عوام الناس کی خدمت کی بجائے ذاتی خدمت یا اپنے خاندان کی خدمت ہی میں لگا رہے تو وہ سیاسی قیادت کا حق ادا نہیں کرتا۔ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے اس اقتباس میں اہلِ سیاست کو بڑا ہی صائب اور مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ وہ عوام کی معاشی، سماجی اور اخلاقی بہبود اور ترقی پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر دیں۔ یہ چیز خدا تعالیٰ کی خوشنودی، عوام کی پسند اور اس کی ذاتی مقبولیت و شہرت کا باعث بنے گی۔ جب وہ عوام کی بہ دل و جان خدمت کرے گا تو لوگ یقیناً اس کی بے حد عزت کریں گے اور اسے آئندہ انتخابات میں بھی ووٹ دیں گے۔ جو رہنما ''لو نوٹ اور دو ووٹ'' کے اصول کا حامی ہوگا' وہ زیادہ دیر تک سیاست کے میدان میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ مزید برآں لوگ بھی اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ قائداعظمؒ نے اپنی تنظیم کے کارکنوں اور عوام کو بھی یہ مفید مشورہ دیا ہے کہ وہ ان رہنماؤں سے تعاون کریں جو عوامی فلاح و ترقی کے لیے کام کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ سیاسی رہنما اور عوام اپنی اپنی اسلامی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس کر لیں اور عوام کی صحیح خدمت کر کے مخدوم بن جائیں۔ یہی اسلامی فکر اور اسلامی طرزِ سیاست ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:-

سید القوم خادمھم (قوم کا سردار اصل میں افرادِ قوم کا خادم ہے)۔

ایمان، اتحاد اور نظم کی پیامبر

قائداعظمؒ نے اپنے کاروانِ ملّت کو یہ پرکشش نعرہ دیا تاکہ یہ سادہ الفاظ ...... ''ایمان، اتحاد، اور نظم'' افرادِ ملّت کے دل و دماغ میں انقلابِ عظیم برپا کر کے انہیں حصولِ پاکستان کے لیے پرعزم، پریقین اور بلند ہمت بنا دیں۔ جب تک کسی قوم میں یہ تین بنیادی صفات پیدا نہ ہو جائیں وہ قوم کبھی مراحلِ ترقی طے نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ ذیل میں قائداعظمؒ کے اس انقلابی نعرہ کی اہمیت و افادیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

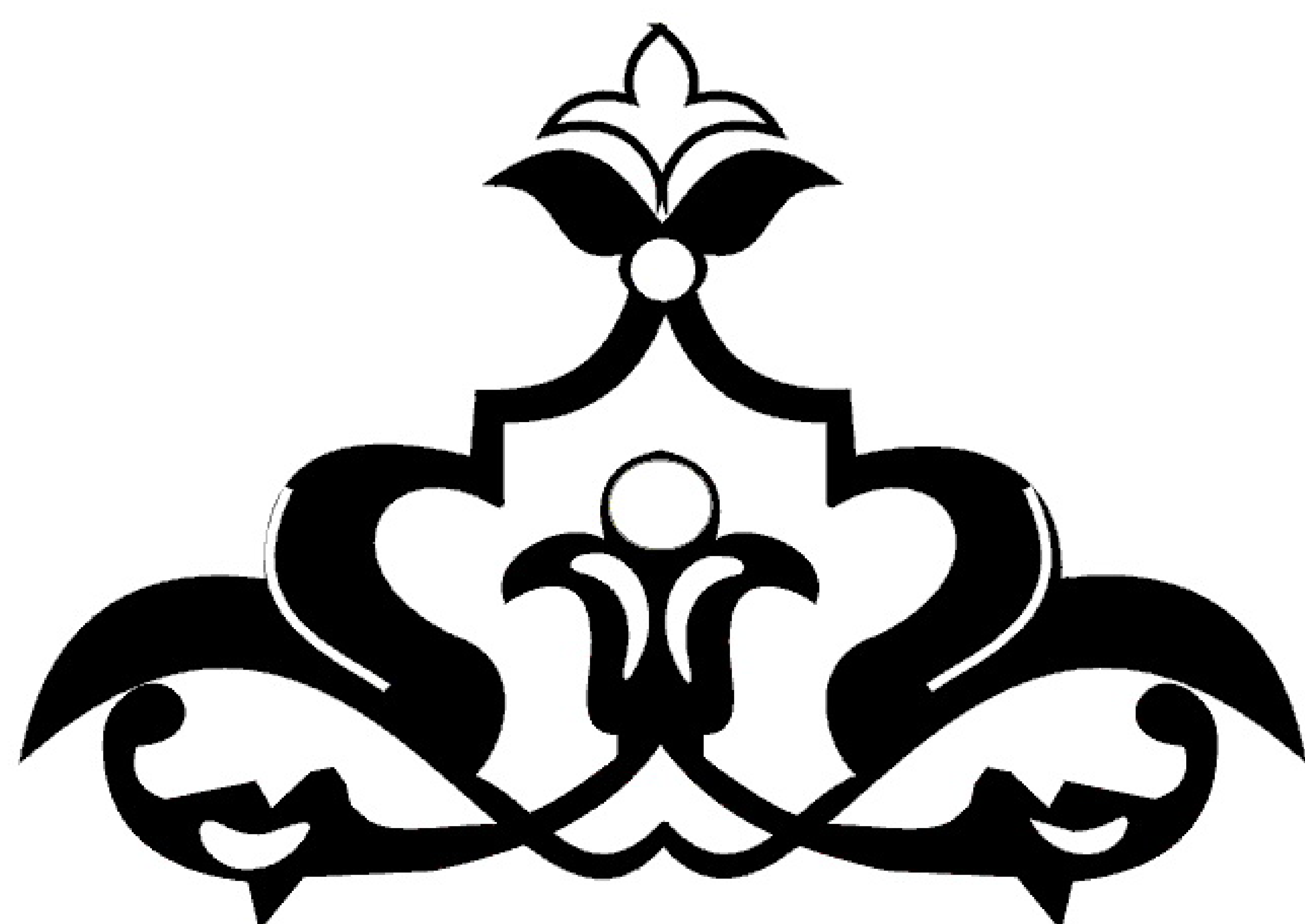
کسی نظریۂ حیات کو فروغ دینے اور اسے غالب کرنے سے پہلے اس نظریے کی اہمیت، صداقت اور اس کی صحت میں کامل یقین رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر کسی جماعت کو اپنے بنیادی تصورِ حیات ہی میں پختہ یقین یعنی ایمان نہیں تو وہ اس کے غلبہ و نفاذ اور اس کی ترقی و کامیابی کے لیے دل و جان سے کوئی کام نہیں کرے گی۔ اس نقطۂ نگاہ سے پاکستان کے قیام سے پہلے اسے غالب کرنے والی جماعت کے ارکان میں نظریۂ پاکستان پر غیر متزلزل ایمان رکھنا بہت ضروری تھا۔ اگر کمزوروں میں ایمان کی حرارت پیدا ہو جائے تو پھر وہ دنیا کی ہر قوت سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا ؎

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل! کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

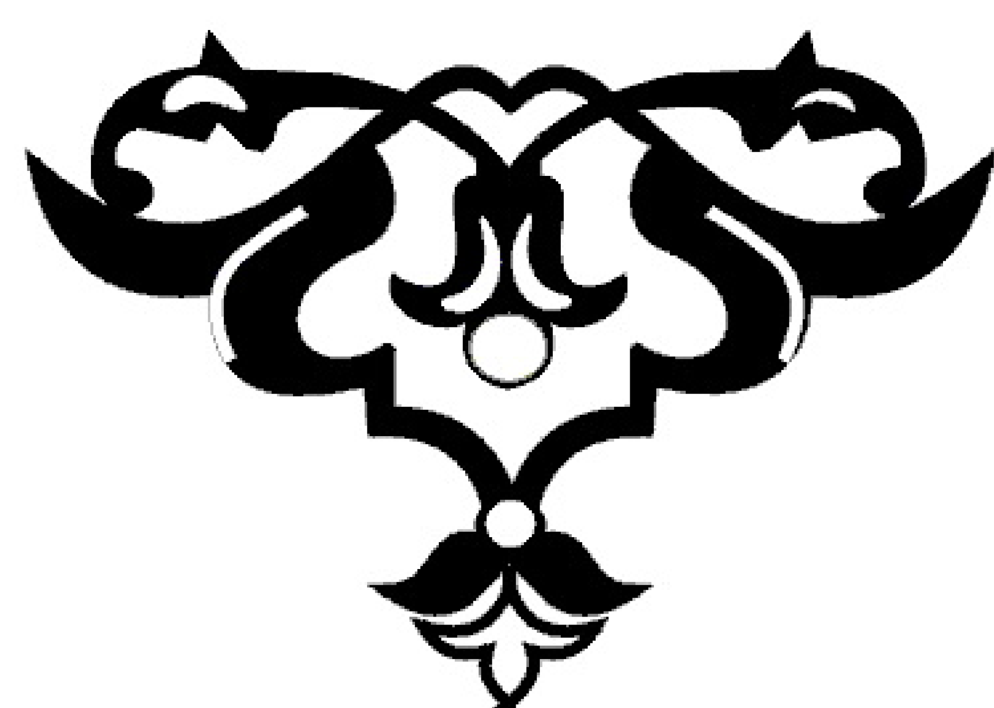
جب کسی جماعت کے ہم خیال اور ہم مسلک افراد میں اتحاد پیدا ہو جائے تو پھر وہ بے پناہ قدرت کے حامل ہو جاتے ہیں۔ ایک ایک، دو گیارہ کے مصداق وہ متحد ہو کر اپنے مقاصد کو آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر اس راہ میں انہیں

مشکلات و مصائب کا بھی سامنا کرنا پڑے تو وہ سب اکٹھے ہو کر انہیں برداشت کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و ثبات کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ جس طرح مضبوط اینٹیں آپس میں مل کر مضبوط عمارت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں' اسی طرح افرادِ ملت آپس میں محبت و اتفاق سے مل کر طاقتور جماعت اور قوم بن جایا کرتے ہیں۔

نظم کا لغوی مطلب ہے کسی چیز کو لڑی میں پرونا، اگر کئی چیزیں ایک جگہ رکھی ہوں اور ان میں کوئی نظم نہ ہو تو وہ محض اینٹوں کا ڈھیر ہوں گی مگر کسی عمارت کی شکل اختیار نہیں کر سکتیں۔ بہت سے پھول الگ الگ رہ کر گلدستہ تو نہیں بن سکتے۔ گلدستہ بنانے کے لیے انہیں ایک لڑی میں پرونا بہت ضروری ہے۔ بہت سی بے ہنگم آوازیں مل کر گیت نہیں بن جاتیں۔ جب ان میں نظم پیدا ہو جاتا ہے تو وہ آوازیں دلکش نغمے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اسی طرح بہت سے افراد کا نظم کے بغیر اجتماع ایک ہجوم ہے۔ جب وہ آپس میں بخوبی پیوست ہو جاتے ہیں تو وہ منظم ہو جاتے ہیں۔ قائد اعظمؒ نے اپنے نظریۂ پاکستان کو عملی شکل دینے کے لیے ان تین اہم باتوں کو ملا کر ایک نعرہ بنا دیا۔ آپ نے قومی طاقت اور حصول مقصد کے لیے انہیں ایمان، اتحاد اور نظم کا زرّیں درس دیا تا کہ وہ آپس میں متحد اور منظم ہو کر بہت بڑی قوت بن جائیں اور پھر قیامِ پاکستان کو ممکن بنا سکیں۔ قوم نے جب آپ کے اس اصول کو اختیار کیا تو اس عمل نے قیامِ پاکستان کے خواب کو حقیقت میں تبدیل کر کے دکھا دیا۔



اشاریہ





اشاریہ

﴿ ک ﴾

﴿ گ ﴾

﴿ ل ﴾

﴿ م ﴾

دو قومی نظریہ

''ہندو اور مسلمان دو مختلف فلسفوں، سماجی رسومات اور ادبیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو آپس میں شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔ دراصل وہ دو مختلف تہذیبوں کے حامل ہیں۔۔۔۔ قومیت کی کسی بھی تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں۔ اس لیے ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہونی چاہیے۔ ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ صلح و یگانگت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم کے افراد بھرپور انداز میں اپنی روحانی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی زندگی کو پروان چڑھائیں''۔

(آل انڈیا مسلم لیگ کے 27ویں سالانہ اجلاس سے خطاب'
لاہور' 22مارچ 1940ء)



نظریۂ پاکستان ٹرسٹ

ایوانِ کارکنانِ تحریکِ پاکستان، نزد رحمت پارک' 100- شاہراہ قائداعظم لاہور۔ فون: 99201213-99201214
فیکس: 9202930 ای میل: trust@nazariapak.info ویب: www.nazariapak.info